سوئے حجاز

یوسف جمال

سوتے جاگتے

ایک خود بخود نوشت،

طابع و ناشر
نذر محمد آپل

پرنٹرز { آپل اینڈ کمپنی ۔ ... ، لاہور
ریڈنگ پرنٹنگ ...یس ۔ آردو بازار ۔ لاہور }

اہتمام
آغا امیر حسین

پبلشرز : بک لینڈ ۔ دی ما... ، لاہور
○ جا...ہ حقوق محفوظ برائے پاک...ان و بھارت
○ ...ل — ۱۱۰۰ ۔اکتو... ء

علی امام معین نجمی اور انور بلال کے نام
جو شِمزا بھی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں
چند سوالات !

۱- کیا آپ زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر چلتے ہیں ؟

۲- کیا زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر چلنے کے باوجود آپ کے جوتوں کی ایڑیاں گھس جاتی ہیں ؟

۳- کیا آپ نے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کبھی یہ سوچا ہے کہ کل گولڈ فلیک کی ڈبی پنواڑی آدھار نہیں دے گا اور پرسوں دھوبی جو کپڑے دے گیا تھا اس میں سفید قمیض کا کالر بالکل پھٹ گیا ہے ؟

۴- سڑک پر ایک خوبصورت لڑکی اور ایک اچھی نسل کا کتا اگر ساتھ ساتھ جا رہے ہوں تو کیا آپ خوبصورت لڑکی کو نظر انداز کرکے کتے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ سکتے ہیں ؟

۵- کیا آپ کسی انسان کے ساتھ کتے کی طرح محبت کرسکتے ہیں ؟

★ اگر ان سوالات کے جواب میں آپ 'ہاں' کہہ سکتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور خرید کر پڑھئے -

★ اگر جواب 'نہیں' میں ہے تو پیسے ضائع مت کیجئے -

——— مصنف

(۱)

میرا نام یوسف جمال ہے،

شکسپیر سے مجھے سخت اختلاف ہے جس نے کہا تھا کہ نام میں کیا رکھا ہے۔ میرا یقین ہے کہ نام میں انسان کی پوری شخصیت پنہاں ہوتی ہے۔ میں نے آج تک کسی اللہ دتے کو شعر کہتے یا افسانہ لکھتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح محمد رفیع یا محمد شفیع قسم کے لوگ ہمیشہ کاروبار میں نام پیدا کرتے ہیں اور انڈے والا اور مرغی والا قسم کے نام والے لوگ ایجنٹ بنتے ہیں۔ اس بات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ میری بات میں کتنی سچائی ہے اب آپ درست جانیں، اپنے نام کو ہی لیجئے۔

میرا قد پانچ فٹ ساڑھے تین انچ ہے۔

انسان کی شخصیت میں سب سے اہم رول قد، ادا کرتا ہے۔ قد جتنا لمبا ہو اتنی ہی شخصیت

ہے۔ جس کے بل بوتے پر انسان پر انا ... نظریا زاویۂ نگاہ قائم کرتا ہے انسان عموماً سر سے اوپر کی چیزوں کو مقدس اور عظیم تصور کرتا ہے۔ اس لئے پستہ قد حضرات قدآور لوگوں کو بھی چونکہ سر سے اوپر پاتے ہیں۔ اس لئے وہ انہیں بھی مقدس اور عظیم تصوّر کرتے ہیں اور میرے خیال میں یہ ایک حد تک بجا بھی ہے بعض حضرات جو دھرتی کے لال ہوتے ہیں اور بقولِ شخصے وہ جتنے زمین سے باہر ہوتے ہیں اتنے ہی زمین کے اندر بھی ہوتے ہیں اُن کے متعلق سنا ہے کہ وہ سر سے اوپر والی چیزوں پر یقین نہیں رکھتے، مگر چونکہ اِن حضرات کی تعداد بہت کم ہے اس لئے قدآور حضرات کو ان کی قطعاً پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ تو سنتے رہے ہوں گے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں۔

دراز قد حضرات جن میں سے ایک بندہ بھی ہے۔ بہر صورت بلند مرتبہ کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہ آسمان کو زیادہ قریب سے دیکھ سکتے ہیں اور چاند انہیں ایک عام آدمی سے زیادہ بڑا نظر آتا ہے اور چاند کے اندر بیٹھی ہوئی بڑھیا کی سرگوشیاں وہ وضاحت سے سن سکتے ہیں۔ اور اس بڑھیا کی پیشانی کی لکیریں وہ بخوبی گن سکتے ہیں۔

میرا رنگ، گندمی ہے۔

میرے خیال میں یہ ایک نہایت مناسب اور موزوں رنگ ہے کیونکہ آپ نے بھی اکثر محسوس کیا ہوگا کہ گورا شخص عموماً بہت گورا اور کالا شخص عموماً بہت ہی کالا نظر آتا

ہے۔ جو کہ بے حد کوفت کا باعث ہوتا ہے، صرف ایک گندمی رنگ ہی ایسا ہے جسے آپ گندم کی طرح بخوبی ہضم کر سکتے ہیں

میں ایک فن کار ہوں۔

ذرا ٹھہریئے، اس میں ناراض ہونے یا چہرے کے اتار چڑھاؤ سے یہ ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ آپ کو یہ بات بری لگی ہے۔ اور میں بھی یہ محسوس نہیں کرتا کہ آپ حسد کی آگ میں جل رہے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ فنکار کو کیوں ہمارے ملک میں لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے یقین کیجئے میں ایسا فنکار نہیں ہوں جس نے اپنی پیشانی پر اپنا نام لکھا ہوتا ہے۔ یا جو گلے میں ڈھول ڈال کر ہر جگہ اپنے فن کار ہونے کی منادی کرتا پھرتا ہے۔

میں تو ایک ایسا فن کار ہوں کہ اگر آپ مجھے بار بار بھی دیکھیں تو یہ بھی معلوم نہ کر پائیں گے کہ میں فن کار بھی ہو سکتا ہوں، حوالے کے طور پر اس کتاب کے باہر جو تصویر ہے اُسے ملاحظہ فرمایئے۔ میں ان حضرت سے بہت حد تک ملتا جلتا ہوں میں کبھی شیروانی نہیں پہنتا نہ ہی پان کھاتا ہوں۔ سگرٹ سلگانے کے لئے کبھی کسی راہگیر سے ماچس یا اس کا جلتا ہوا سگرٹ نہیں مانگتا۔ سر کے بال مہینے میں ایک بار ضرور ترشوا لیتا ہوں۔ روزانہ غسل کرنا میرا معمول ہے۔ بات کرتے وقت نہ تو چھت کی طرف دیکھتا ہوں اور نہ ہی اپنی یا اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے خواتین و حضرات کی بغلیں جھانکتا ہوں۔ میرے محلے میں اگر آپ کسی بھی پنواڑی سے پوچھ لیجئے، میں نے کسی کا

ادھار نہیں دیتا، کسی ہوٹل میں میرے ساتھ [stain]ب داخل ہو کر دیکھیں مجھے کوئی بیرہ نہیں پہچانے گا۔ اگر کبھی چاندنی رات میں آپ سے میری ملاقات ہو گئی تو میں آپ کو اپنی مکمل اور نامکمل غزلیں کبھی نہیں سناؤں گا، چاندنی رات میں آپ میرے ساتھ میلوں چل سکتے ہیں، گھنٹوں بیٹھ سکتے ہیں۔ اس تمام وقت میں آپ میرے منہ سے صرف دو نام سنیں گے، "پرنس" یا "ہیپی" یہ میرے دو ڈال نیشن کتے ہیں۔ جن کے ساتھ چاندنی راتوں میں سیر کر کے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔

میری تعلیم ادھوری ہے ––

ہمارے ملک میں تعلیم اور تعلیم کا مسئلہ بھی لال بجھکڑ کی سوچ بن کر رہ گیا ہے میں بھی کبھی کبھار اپنی تعلیم کے متعلق سوچ کر پہلے ہنس دیتا ہوں اور پھر زار و قطار رونا شروع کر دیتا ہوں۔ ہنستا میں اس لئے ہوں کہ مجھے اپنے ماحول میں کئی تعلیم یافتہ طالب علم، اُستاد ایسے ملتے ہیں کہ ان کی باتیں سُن کر مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ یافتہ تو ضرور ہیں مگر تعلیم یافتہ ہرگز نہیں ہیں اور رو میں اس لئے دیتا ہوں کہ مجھے اپنے جیسے بہت سے لوگ نظر آتے ہیں۔ جن کی تعلیم ادھوری ہے، اس ادھوری تعلیم کے احساس نے مجھ میں جو احساس کمتری پیدا کر دیا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ میں تعلیم کے سلسلے میں ولایت جانے کے لئے پر تول رہا ہوں، مگر اس کے باوجود پر تولتے وقت مجھے کوئی نہ کوئی ایسا رنق ضرور نظر آ جاتا ہے۔ جس سے پرواز میں کوتاہی آ جاتی ہے یہ پردہ داری کی بات ہے۔ پردہ داری کی بات نہیں، صاف لفظوں میں سمجھئے۔ بات

دراصل یوں ہے کہ کبھی کبھار ایسی لڑکی نظر آجاتی ہے کہ ولایت کا تمام پروگرام خاک میں مل جاتا ہے اور دل پکار پکار کر کہتا ہے۔

"یوسف جمال! تم اگر ولایت چلے گئے تو بٹیا یہ لڑکی تمہارے واپس آنے تک تین بچوں کی ماں بن چکی ہو گی"، اور یقین جانئے تین بچوں کی ماں سے مجھے سخت نفرت ہے۔ اور اس نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تین بچوں کی ماں مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے۔

مگر میرا خیال ہے کہ مجھے لاکھ اچھی اچھی لڑکیاں نظر آئیں۔ میں لاکھ پاسپورٹ فارم بھروں اور انہیں پھاڑوں میں پھر بھی ولایت ضرور چلا جاؤں گا۔ کیونکہ میرے اردگرد اَن گنت ایسی لڑکیاں موجود ہیں جن کو دیکھ کر انڈیمان بھاگ جانے کو جی چاہتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ انڈیمان سے ولایت کہیں بہتر ہے۔ ——

میرا لباس ——

پنجابی کی ایک مثال ہے کہ انسان کو ایسا لباس پہننا چاہیے جو لوگوں کو پسند ہو، پنجابی کی یہی ایک ایسی مثال ہے جس سے مجھے اتفاق نہیں۔ میرا خیال ہے باقی مثالوں سے مجھے اتفاق ہو گا۔ گو ان کا مجھے قطعاً کوئی علم نہیں ہے کیونکہ میرے یعنی میرے دادا جان کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب تشریف لائے تھے۔ بہرحال بات تو لباس کی ہو رہی تھی۔ تو ہاں جب سے مجھے اِس بات کا علم ہوا کہ ہم ہر لباس میں ننگِ وجود ہیں میں نے اس طرف توجہ دینا ذرا کم کر دیا ہے۔ آپ نے خود کئی بار دیکھا ہو گا کہ بہت عمدہ

لباس پہنے ہوئے ایک آدمی جب آپ سے کوئی بات کرتا ہے تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ اس کا لباس اس کی شخصیت کا ساتھ نہیں دے رہا۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ وہی پنجابی مثال ہے۔ اس لباس کے انتخاب میں ذہن یا تو اس آدمی کی بیوی نے یا اس کے کسی دوست یا پھر درزی نے برتا ہوتا ہے۔ اور لباس وہ آدمی برتنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر جگہ ناکام رہتا ہے۔

اس لئے میں لباس کئی طرح کا پہنتا ہوں آپ کو تو علم ہے کہ آدمی مجموعہ اضداد ہے، موڈ بدلتے دیر کیا لگتی ہے۔ ابھی ابھی اگر آپ خالص انگلش موڈ میں ہیں تو پل بھر میں آپ کا جی قلابازیاں لگانے کو چاہ رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہی مناسب ہے کہ آپ لباس کی ایک لمبی چوڑی فہرست رکھیے! جس وقت جیسا موڈ ہوا ویسا لباس پہن لیا، اس سے جہاں آپ محفوظ رہیں گے وہاں آپ سے ملنے والا بھی آپ کی بات سن کر مایوس نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح آپ کی باتیں اور آپ کا لباس خوب ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔

میرا پیشہ —

یہ بڑا نہایت نازک قسم کا مسئلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ عورت سے اس کی عمر اور مرد سے اس کی تنخواہ کبھی نہ پوچھنا چاہیئے کیونکہ اس کا جواب کبھی صحیح نہیں ملتا۔ اکثر عورت اپنی عمر کم اور مرد اپنی تنخواہ زیادہ بتاتا ہے۔ اب جبکہ پیشے کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اس میں مجھے اپنی آمدنی کا ذکر بھی کرنا ہوگا۔ اور ایک مرد کی

حیثیت سے مجھے اپنی آمدنی زیادہ ہی بتانا ہوگی۔ مگر اس کے باوجود میں کوشش کروں گا کہ آپ کو زیادہ تاریکی میں نہ رکھا جائے۔

فن کار اور ایک رومانی قسم کا فن کار ہونے کے باوجود میں ایک نہایت ہی غیر رومانی قسم کی ملازمت کرتا ہوں آپ سمجھیں گے میں کلرک ہوں "ارے واہ! صاحب کلرکی تو بڑے مزے کی چیز ہے اور ہمارے بابائے افسانہ منشی پریم چند نے کلرک کو اتنا رومانی درجہ دیا ہے کہ میں کبھی کبھی تو کلرک کے متعلق سوچ کے جلنے لگتا ہوں" تو پھر انشورنس ایجنٹی! ارے نہیں صاحب! کیا یہ غیر رومانی قسم کا پیشہ ہے۔ ابھی یہاں، ابھی وہاں کبھی ہوٹل میں تو کبھی کلب میں —— آج اس کوٹھی میں تو کل اُس بنگلے میں —— طرح طرح کے لوگ، طرح طرح کی گفتگو، درویش اور سیلانی کی زندگی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیجئے اور نئے نئے تجربے کیجئے، اس سے زیادہ رُمانی زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کسی فلم کمپنی میں ملازم ہوں جہاں مجھے تنخواہ ہر ماہ نہ ملتی ہوگی اس لئے میں زندگی سے بیزار ہوں' ارے صاحب! آپ کے منہ میں گھی شکر، کاش کہ ایسا ہوتا، کاش میں کسی فلم کمپنی میں منشی کی حیثیت سے ہی ملازم ہوتا، فلم کمپنی کا مالک کوئی انگریزی فلم دیکھ کے آتا اور اس کی کہانی سنا کر مجھے کہانی لکھنے کو کہتا، ہر روز دفتر میں ایکٹرس بننے کی امید میں گھروں سے بھاگ کر گوری کالی، خوبصورت بدصورت، جوان اور بوڑھی عورتیں آتیں کوئی مالک کو، کوئی ہدایت کار کو اور ایک آدھ بندے کو بھی ملتی۔ تو اس زندگی میں

اور کیا لینا تھا، تنخواہ! ارے صاحب! یہ تو محض فلمی مکالمہ نویس دہائی دیتے ہیں ورنہ ننھے ننھے لکھنے والے ان کے گرد ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ کوئی صبح کا ناشتہ کراتا ہے کوئی لنچ پر بلاتا ہے کوئی ڈنر پہ کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اور سارے دن کے چائے اور سگرٹ کا خرچ وہ کمپنی دیتی ہے کیونکہ چائے اور سگرٹ سے تو مکالمے لکھنے کے لئے موڈ بنتا ہے، اور پھر تنخواہ باقاعدہ نہیں ملتی، یہ قاعدہ تو ملتی ہی ہے نا۔ اور جب تنخواہ ملی، تو ہائے رے بائی چھپلا جان ۔۔۔ شاہی مسجد کے قریب نوگزے کی قبر کے پیچھے،

اے سیاں سنے انگلی مروڑی رے

دھک دنا دن، دھک دھنی دا،

سیاں سنے انگلی مروڑی رے

رام قسم شرما گئی ہیں

رام قسم شرما گئی ہیں

ہو، او، او، سیاں سنے ۔۔۔

مگر صاحب! ہماری ملازمت میں تو سیاں کا ہاتھ ہے اور نہ ہماری یا اُن کی انگلی ریاں، تو سارا دن بچوں کے کان مروڑنے پڑتے ہیں۔ کیونکہ میں ایک سکول کا ماسٹر ہوں، آرٹ ماسٹر! سیکنڈ سٹینڈرڈ سے لے کر سینیر کیمبرج تک کے بچوں کو آرٹ سکھاتے سکھاتے سارا آرٹ بھول جاتا ہوں، اور کبھی خود جب تصویر بنانے

بیٹھتا ہوں تو عجیب کوفت محسوس ہوتی ہے، دو وائرے بنا کر ان کے ساتھ تین لائنیں لگاتا ہوں اور جب لوگ پوچھتے ہیں۔ یہ کیا ہے تو جی چاہتا ہے اُن کا سر توڑ دوں میں روتے ہوئے کہتا ہوں، سائیکل،

"سائیکل ایسا ہوتا ہے؟" وہ یوں تعجب سے پوچھتے ہیں جیسے انہوں نے کبھی سائیکل ہی نہیں دیکھا جی چاہتا ہے کہ انہیں پکڑ کر سڑک پر لے جاؤں، اور سائیکل دکھا دوں، مگر خیر! ہم نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے لوگوں کا ——

خیر صاحب یہ تو رہا ہمارا پیشہ —— باقی رہی تنخواہ تو چھوڑیئے اس بات میں کیا رکھا ہے، کھاتا پیتا ہوں، صاف اور عمدہ لباس پہنتا ہوں، پکچریں دیکھتا ہوں، ہوٹل میں دوستوں کو چائے کی دعوت دیتا ہوں، باقی رہا بینک میں حساب، تو معاف کیجئے میں ملازمت کرتا ہوں، سکول کی، حکومت کا نوکر نہیں ہوں، ورنہ بینک کا حساب بھی شاید بتا دیتا —— مگر نہیں، بینک کا حساب تو میں پھر بھی نہ بتا سکتا، کیونکہ بینک میں حساب تو مجھے بیوی کے نام پر کھولنا پڑتا ——

میرے شوق ——

شوق سے میری مراد ہابی ہے، ہابی کا ہمارے ملک میں کوئی رواج نہیں، انگریز کی ایک نہ ایک ہابی ضرور ہوتی ہے۔ ویسے انگریز بھی ہابی میں مخلص نہیں ہوتا۔ بہت سے انگریز اپنی ہابی اس لئے بناتے ہیں کہ انگریز کی کوئی نہ کوئی ہابی ضرور ہونا چاہیئے، ویسے یہ ہابی اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو بچپن کی ایک حماقت ہے،

اور ہم چونکہ گرم ملک کے رہنے والے ہیں اس لیئے جلد جوان ہو جاتے ہیں؟ اور ہم اپنی ہابی کا ساتھ زیادہ دیر تک نہیں دے سکتے۔ مگر انگریز چونکہ بڑھاپے تک بچہ رہتا ہے اس لیئے وہ ہابی کے معاملے میں خاصا سنجیدہ ہے اور میں ہابی کے معاملے میں ایک حد تک انگریز کا ابا جان کہلا سکتا ہوں۔ بچپن میں مجھے سگرٹ کی ڈبیاں جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس کے علاوہ میں ٹافی اور چاکلیٹ کے کور بھی جمع کرتا تھا۔ سگرٹ کی ڈبیوں کو کاپی میں جوڑ کر اُن کے نیچے میں بہت لمبے لمبے نوٹ لکھا کرتا تھا مثلاً پاسنگ شو اُن کا کارخانہ کہاں ہے۔ اس کے مالک کا نام کیا ہے۔ اِس سگرٹ کا نام پاسنگ شو کیوں تجویز کیا گیا۔ اس کی قیمت یہ کیوں مقرر ہوئی۔ ایک سگرٹ میں کتنی مقدار تمباکو کی ہوتی ہے، ایک سگرٹ پر ایک رم میں کتنا کاغذ خرچ آتا ہے، اسے کس طبقے کے لوگ پیتے ہیں ہمارے ملک میں ایک آدمی ایک دن میں کتنے پاسنگ شو کے سگرٹ پیتا ہے، کیوں پیتا ہے، پینے سے پہلے اُس کا موڈ کیسا ہوتا ہے۔ پینے کے بعد وہ کیا محسوس کرتا ہے ایک دن، ایک ماہ اور ایک سال میں وہ اس سگرٹ پر کتنا روپیہ ضائع کرتا ہے، لوگ سگرٹ کی خالی ڈبیاں سڑک پر کیوں پھینکتے ہیں۔ اور پاسنگ شو کی خالی ڈبیاں شہر کی کن کن سڑکوں پر پڑی مل سکتی ہیں —

اسی طرح ٹافی کے کور کاپی میں لگا کر اُن کے نیچے بھی میں ۔ لمبے لمبے نوٹ دیا کرتا تھا! اس قدر وضاحت میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک تو یہ باتیں بچپن کی ہیں اور دوسرے میری یادداشت ذرا ایسی کوئی بہت اچھی نہیں اور میں

ایک وقت میں ایک چیز کے متعلق ایک جیسا نہیں سوچ سکتا۔ ٹافی پر جو میں نوٹ لکھا کرتا تھا۔ اُس کے چند عنوانات پیش کر دیتا ہوں۔

ٹافی!

ٹافی کا موجد، اس کا نام اور شجرہ نسب،

ٹافی کی قسمیں، اس کے رنگ، ذائقہ اور فوائد"

ٹافی سے والدین کو نقصانات اور فوائد

مختلف قسم کی عمر میں مختلف قسم کی ٹافی سے مختلف قسم کے دانتوں پر اس کے اثرات،

ٹافی کے کور، کور کے کاغذوں کی قسمیں،

کور کے ڈیزائن اور ڈزائنر،

ٹافی والا،

گرال فرینڈ اینڈ ٹافی۔ وغیرہ وغیرہ،

اس کے علاوہ بچپن میں درختوں کے پتے اور پھول، پرندوں کے پر، والدین کی قسموں پر اب تک میرے پاس البم موجود ہیں، اور تو اور پیدائش کے فوراً بعد میں نے جو لنگوٹ باندھا تھا اُس لنگوٹ سے آج کے تھری پیس سوٹ تک تمام کپڑے میرے پاس محفوظ پڑے ہیں۔ ایک دفعہ موٹر سائیکل کے حادثے نے مجھے ہسپتال بھی پہنچایا تھا ہسپتال سے غسل صحت کے بعد جب میں نے ہسپتال کا لباس دوبارہ زیب تن کیا تو ڈاکٹر

نے باقاعدہ لکھ کر درخواست دی کہ ہسپتال کا لباس واپس کیا جائے۔ مگر جب میں نے اپنے لباس کی کولیکشن کا حوالہ دیا تو اُنہوں نے اُس لباس کے ڈگنے تگنے پیسے مجھ سے وصول کر لئے۔ مگر کوئی مضائقہ نہیں، کم از کم میری یہ کولیکشن تو پوری ہے۔ کبھی کبھی جی تو بہت چاہتا ہے کہ جیل خانے اور پاگل خانے بھی ہو آؤں تاکہ لباس میں ورائٹی آ جائے مگر فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ گو میرے بہت سے قیدی اور پاگل دوست ہیں۔ مگر مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو دوسروں کا لباس پہنتے ہیں ـــــ

ہاں یاد آیا، بچپن میں ایک بار میں اپنے اسکول کے ڈرامے میں "لیلےٰ مجنوں" کھیل میں لیلےٰ بنا تھا۔ میرا مطلب ہے لیلےٰ بنی تھی، نہیں لیلےٰ بنا تھا ہی ٹھیک ہے۔ وہ لباس بھی میں نے سکول کی ڈرامٹک سوسائٹی سے خرید لیا تھا۔

آج کل میری ہابی کتا ہے، مجھے ہر رنگ اور ہر نسل کا کتا پسند ہے۔ اسی طرح جس طرح سب مجھے ہر رنگ اور ہر نسل کے انسان سے محبت ہے۔ میں اپنے علاوہ اپنا زیادہ وقت اور توجہ کتوں پر دیتا ہوں۔ آپ کہیں یہ نہ سوچنے لگیں کہ کتا پالنا بھی انگریزی ہابی ہے، معاف کیجئے، آپ کسی انگریز کے کتے سے ملئے، پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ انگریز کتوں کے معاملہ میں کتنا مخلص ہے۔ انگریز کتا صرف اس لئے رکھتا ہے کہ انگریز کتا رکھتا ہے۔ ورنہ اس کی پرورش، خوراک اور دیکھ بھال سب نوکروں کو کرنا پڑتی ہے مگر میرے کتے میرے کتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال صرف میں کرتا ہوں۔ سڑک پہ ایک خوبصورت لڑکی اور ایک اچھی نسل کا کتا اگر ساتھ جا رہے ہوں تو خوبصورت

لڑکی میری توجہ کا مرکز کبھی نہیں بن سکتی۔ میں لڑکی کی ناراضگی اور گالیاں برداشت کر سکتا ہوں اُس کے منہ سے بد ذوق کا لفظ بھی سُن سکتا ہوں۔ مگر کتے کی پیشانی پر ایک بل بھی نہیں دیکھ سکتا۔

کتوں کے علاوہ مجھے دوست پالنے کا شوق ہے۔ میرے دوستوں کو مجھ سے شکایت ہے کہ میں دوستوں کو کتوں کی طرح اور کتوں کو دوستوں کی طرح پالتا ہوں، یہ مجھ پر الزام ہے۔ میں دوستوں کو کتوں کی طرح کسی صورت نہیں پال سکتا، کیونکہ کتوں پر مجھے بے حد توجہ اور وقت صرف کرنا پڑتا ہے ____

میرے دوست ____

اوپر میں لکھ آیا ہوں کہ دوست پالنا میری ہابی ہے۔ اور میرے دوستوں کی تعداد کچھ ایسی لمبی چوڑی ہے کہ اگر میں فہرست تیار کرنے لگوں تو وہ اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ کبھی کبھی تو میرے چند دوست اور دوستوں کو دیکھ کر بوکھلا جاتے ہیں کچھ دوست تو میں نے اپنے لئے رکھ چھوڑے ہیں اور کچھ دوست کچھ اور دوستوں کے لئے اور کچھ دوست ____ اور دوستوں کے لئے۔ شاید آپ اپنے دوستوں سے بیزار ہوں، مگر مجھے میرے دوست جان سے عزیز ہیں۔ بچپن میں میں نے کبھی سجاد حیدر یلدرم کا مضمون "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" پڑھا تھا۔ اُسے غالباً بچپن میں آپ نے بھی پڑھا ہوگا۔ مگر پڑھنے اور امتحان کے لئے پڑھنے میں بڑا فرق ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ہو سکتا ہے کہ ہم نے امتحان میں اتنا فائدہ نہ اٹھایا ہو جتنا آپ نے اٹھایا تھا۔ مگر عام زندگی

میں ہم نے اِس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آج کل اَن گنت دوست موجود ہیں، فرض کیجئے آپ نے اپنی سالگرہ کی دعوت میں دوستوں کو مدعو کرنا ہے۔ اگر آپ ہمارا نسخہ برتیں تو یوں کیجئے کہ دو اخبار نویس، دو وکیل، دو شاعر یا ادیب دو کلرک دو طالب علم، دو کاروباری بلا لیجئے۔ دیکھیئے اس میں کہیں دو سے تین نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ چائے یا ڈنر کے فوراً بعد جب گپ شپ کا دور شروع ہو گا تو وہ اُن کی اُن میں بحث کی صورت اختیار کرے گا، اگر ہم پیشہ دو ہوں گے تو وہ کبھی ایک دوسرے کی بات سے اِتفاق نہ کریں گے —— اور اگر تین ہوئے اور دو نے ایک بات پر اتفاق کر لیا تو بحث ختم ہو جائے گی اور تیسرا آپ کے پاس آ جائے گا۔ میں دعوتوں میں یہ ہمیشہ دو ہم پیشہ دوستوں کو بلاتا ہوں، وہ بحث میں اُلجھے رہتے ہیں اور میں اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے اور اپنے کتوں کے متعلق سوچتا رہتا ہوں ——

اس کے علاوہ اِدھر اُدھر یہاں وہاں آتے جاتے کچھ لوگوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً آپ ریل میں سفر کر رہے ہیں۔ اوّل تو آپ کو ریل میں سفر کرنا ہی نہیں چاہئے میرے خیال میں سفر نہایت واہیات چیز ہے۔ اس سے جہاں تک ہو سکے گریز ہی کرنا چاہئے۔ اور اگر سفر کرنا ہی پڑے تو اپنی کار پر سفر کیجئے۔ اگر آپ کے پاس کار نہیں ہے اور آپ کو بس یا ریل میں سفر کرنا ہی ہے تو میری مانئے اور منہ پر پٹی باندھ لیجئے۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم سیکنڈ کلاس میں ریل کا سفر کیجئے اور اپنی سیٹ پر لمبی تان کر سو جایئے۔ اگر آپ یہ بھی نہیں کر سکتے تو مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی

ہے۔ بہر حال انڈر اور بھیڑ میں سفر کرنے سے پہلے بہت سے میگزین اور اخبار خرید لیجئے۔ اور بس یا ریل کے ڈبے میں اطمینان سے بیٹھ جائیے۔ جو شخص آپ سے بات کرنا چاہے اُسے ایک میگزین یا اخبار دے دیجئے۔ کوئی آپ سے بات نہ کرے گا اور جب کوئی آپ سے بات نہ کرے گا تو دوستی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور جب آپ کا سفر ختم ہو۔ تو اگر آپ ریل پر ہیں تو ریلوے پولیس کا آدمی بلا کر سب کی جامہ تلاشی کروا کر اپنے اخبارات اور میگزین سمیٹئے۔ اور اگر بس پر تھے تو بے بسی سے گھر کی راہ لیجئے۔

آج کل کے زمانے میں ہوٹل میں جا کر چائے پینا ایک لعنت ہے اور پھر اُن ہوٹلوں میں جہاں دوستوں کے ملنے کا خدشہ ہو۔ اس سلسلے میں بھی ہمارے تجربے سے فائدہ اُٹھائیے۔ آپ شہر کی سنسان آبادی کے ایسے ہوٹل میں جا کر چائے پیجئے جہاں بھولے بھٹکے سے ہی کوئی جاتا ہو۔ اگر آپ کے پاس اتنا وقت نہیں اور آپ کسی قریبی ہوٹل میں جانا چاہتے ہیں تو پھر ایسا ہوٹل چنئے جس میں کیبن ہوں۔ اطمینان سے پردے کے اندر بیٹھ کر چائے پیجئے اور بل ادا کر کے بھاگ لیجئے۔ اگر بدقسمتی سے قریب میں ایسا کوئی ہوٹل نہیں ہے اور آپ کو بآوازِ بلند ننگے ہو کر مردِ میدان بن کر ہی ہوٹل میں جانا ہے تو ہمت اور دانائی سے کام لیجئے۔ ہوٹل کے کونے والی میز پر جا کر بیٹھ جائیے۔ بیرے کو چائے کے ساتھ ہی بل کا بھی حکم دیجئے۔ اس دوران میں اگر کوئی دوست آ ٹپکے تو لاحول پڑھئے۔ اگر وہ شاعر ہے تو اس سے تازہ غزل کی فرمائش

کیجئے۔ اور جب وہ غزل سنانے تو ہر پینتیس سیکنڈ کے بعد واہ کہئے۔ اور جو جی میں آئے سوچتے رہئے۔ اگر ادیب ہے تو ادب کے جمود پر فوراً ایمان لے آیئے۔ اگر طالب علم ہے تو اُس سے کسی نئی انگریزی فلم کا پوچھئے، اور جب وہ کہانی اور مکالمے سنانے لگے تو آپ مزے سے اپنے کام میں لگ جایئے۔ اگر کلرک ہے تو حکومت کے افسروں کو وہ چار گالیاں دے دیجئے۔ اگر اخبار کا کالم نویس ہے تو اُس سے کالم کی بے حد تعریف کیجئے۔ اِس طرح ایک حد تک آپ خاصی بوریت سے بچ جائیں گے —— مگر اِس سلسلے میں نجات کا راستہ صرف یہی ہے کہ کچھ دوست اپنے لئے کچھ دوست اپنے دوستوں کے لئے، اور کچھ دوست —— اور دوستوں کے لئے بنایئے، میرے بہترین دوست بچے ہیں۔ وہ بچے نہیں جنہیں میں پڑھاتا ہوں بلکہ وہ بچے جنہیں میں نہیں پڑھاتا ——

مسیح نے کہا تھا "چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے" یہ اُس زمانے کی بات ہے جب عقلمند اشارے سمجھ جایا کرتے تھے۔ میں اِس کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مجھے یقین ہے بلکہ مجھ سے زیادہ آپ کو یقین ہوگا کہ آپ عقلمند ہیں۔ لہٰذا آپ اِس فقرے کے معنی بخوبی سمجھ سکتے ہیں ——

میرے معاشقے ——

کسی نے خوب کہا ہے کہ دل کے معاملات دل کے معاملات ہوتے ہیں۔ انسان

اپنا تعارف اُس وقت تک صحیح نہیں کرا سکتا جب تک دل کی بات زبان تک نہ لائے، مگر آپ جانتے ہیں کہ دل کی بات ہر ایک سے تو نہیں کہی جا سکتی۔ مگر آپ اب ہر ایک میں سے بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ جب آپ نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو اس ہاتھ میں اِس کتاب کی قیمت موجود تھی۔ اِس لئے اب آپ سے کیا پردہ!

یہ اوپر جو میں معاشقے کا لفظ لکھ آیا ہوں یہ ذرا میں اپنے ساتھ زیادتی کر گیا ہوں یہ لفظ تو کچھ ایسا ہے۔ جیسے آپ کسی کے گھر "دھم" سے کود کر عشق کریں۔ پھر آپ اُسے معاشقہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر معاف کیجیے۔ بندہ اِس "دھم" کے معاملے میں ایک "دم بزدل" ہے۔

سب سے پہلے جو ہمارا عشق ہوا وہ بقول شخصے، ع

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود

قسم کا تھا۔ ہم آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے اور یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب آدمی یوں سوچتا ہے کہ اگر دیوار کو میں ذرا دھکا دوں گا تو وہ دھڑام سے گر پڑے گی۔ لہٰذا اس زمانے میں ہم ورزش کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے ساتھ والے مکان میں ہماری ہمسائی لڑکی بڑی للچائی ہوئی نظریں ہمارے جسم پر جمائے ہمیں دیکھا کرتی تھی۔ ایک دن اُسے خدا معلوم کیا سوجھی وہ کود کر ہمارے مکان میں آ گئی۔ پہلے تو ہم بہت گھبرائے مگر جلد ہی ہم نے حالات پر قابو پا لیا۔ اِس حالات پر قابو پانے میں بھی لڑکی نے ہمارا ہاتھ بٹایا اور وہ ہمارے ساتھ چمٹ گئی ——— اور بے تحاشا ہمیں چومنے لگی ———

ہم نے جواب میں بخل سے کام نہیں لیا، اور اس دن کے بعد ہم باقاعدہ عشق کرنے لگے۔ مگر ہمارا یہ عشق ایک ایسے شہر میں ہوا تھا۔ جہاں ہم گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے کے لئے شملہ جاتے وقت راستے میں آٹھ دس روز کے لئے ٹھہرا کرتے تھے ——

ہم نے دو چار دن کا جیب خرچ جمع کر کے اُسے کمانچ کی چوڑیاں دے دیں۔ اور اس کے بدلے میں اُس نے ہمیں دو ریشمی رومالوں پر پھول کاڑھ کر دے دیئے، مگر یہ عشق چونکہ جسم کا تھا اس لئے دل تک پہنچتے پہنچتے ٹھنڈا پڑ گیا —— اب تو اس لڑکی کا نام بھی ہمیں یاد نہیں غالباً کانتی یا شانتی قسم کا نام تھا۔

دوسرا عشق ہمیں کالج کے زمانے میں ہوا، ہم نئے نئے کالج میں داخل ہوئے تھے اور ایک ایسی لڑکی پر آنکھ رکھتے تھے جس پر کالج کے تمام چھوکرے بُری طرح فریفتہ تھے۔ ہمارے عشق کرنے کا انداز ذرا جداگانہ ہے۔ ہم یوں احتیاط سے آنکھ بچا کر عشق کرتے ہیں کہ اکثر اوقات اُس شخص کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ کہ اُس سے عشق کیا جا رہا ہے، ایسا ہی کچھ کالج کی اس قاتل حسینہ سے ہوا جس کا نام سعیدہ تھا، ہمارے لئے یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ اگر ہم اقرار کر لیں کہ ہمارے دوسرے عشق میں بھی نزولِ معشوق والا معاملہ ہی پیش آیا۔ پہلا خط ہمیں سعیدہ نے ایک ایسے لڑکے کے ہاتھ بھیجا، جس نے حالات سے بے قابو ہو کر سعیدہ کو بہن بنا لیا تھا۔

ہمارا یہ عشق خاصا ٹھاٹھ دار تھا، اس میں ہم نے دل کھول کر عشق کی تمام روایات کو دوبارہ زندہ کیا، خط لکھے گئے، گلے شکوے ہوئے۔ تحفے ادل بدل کئے گئے

سیر کے پروگرام بنے، دوگانے گائے، تصاویر اتروائی گئیں۔ پہلے یہ بات افسانہ بنی، شہرت ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ شہرت بدنامی کا روپ اختیار کر گئی۔

آخر کار ایک فلمی عشق کی طرح ایک دن معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ سعیدہ نے کالج آنا چھوڑ دیا۔ ہم اُس کے گھر پر جب اس سے ملنے گئے تو اس نے نوکر سے کہلوا دیا کہ بے بی گھر پر نہیں ہے۔ مگر ہم چونکہ اِس معاملہ میں خاصے سنجیدہ تھے۔ اس لئے بہت شور و غل مچایا۔ چیخے چلائے۔ اور ایسی حالت بنالی کہ مجنوں کی روح کو ثواب پہنچنے لگا۔ آخر اِس سلسلے میں ہماری باجی ہمارے کام آئی۔ ایک دن ہم نے اپنے عشق کا یہ سارا ماجرا اپنی باجی کو سنا دیا۔ اور اُس نے جو نتیجہ نکالا اُس سے ہماری زندگی کا تمام تر زاویۂ نگاہ ہی بدل گیا۔ ہمیں جب پتہ چلا کہ سعیدہ ہم سے فلرٹ کر رہی تھی تو عورت کے بارے میں ہم نے اپنی رائے ہی بدل دی۔ اور اِس رائے کو بدلنے کے بعد ہم نے مختلف قسم کی لڑکیوں سے سعیدہ کی فلرٹیشن کا خوب بدلہ لیا۔ مگر ایک دن ہم پھر ایک ایسی لڑکی سے دوچار ہوئے جس نے ایک بار پھر ہمیں سنجیدہ تر بنا دیا۔ یہ لڑکی لڑکی کم اور وہ نہایت ہی خواب آلود قسم کی آنکھیں زیادہ تھی۔ ہمیں اُس کے چہرے کے زردی مائل رنگ ایک بڑے سے تل اور دو آنکھوں نے بے اندازہ متاثر کیا۔ ہم ایک بار پھر پاکباز اور شریف قسم کے بزدل عاشق بن گئے اور اُسی انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے آنکھ بچا کر عشق کرنے لگے۔ اور یہی وہ عشق تھا۔ جو ہم نے کیا تھا۔ جو پہلے ہمارے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اور اِس لڑکی سے ہم آج تک عشق کر رہے

ہیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے اِس سے عشق کریں گے گو اس لڑکی کی ابھی شادی نہیں ہوئی، بہرحال ایک دن اِس لڑکی کی شادی ضرور ہو گی۔ اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لڑکی جب تین بچوں کی ماں بن جائے گی تو جب بھی اس سے نفرت نہ ہو گی۔ گو ہم دنیا کی اُن تمام عورتوں سے نفرت کرتے ہیں جو تین بچوں کی مائیں ہیں، ہمارے اِس عشق میں گو بقول شخصے ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر اس نے ہمارے سینے میں جو ایک آگ بھر دی ہے نا ــــ اُسی کے بل بوتے پر ہم زندگی کے یہ سہانے دن گذار رہے ہیں۔ اِس عشق نے ہمیں رونا نہیں سکھایا۔ بلکہ دنیا سے مقابلے کرنے کی ہمت عطا کی ہے، یہ جو ہم تصویریں بناتے ہیں یہ اسی عشق کا اعجاز ہے یہی آگ ہے جو ہمیں قدم قدم پر جد و جہد کے لئے اُکساتی ہے۔ اس لڑکی کو شاید یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس سے ملنے کے بعد زندگی میں جو کچھ بھی کیا ہے صرف اُسی کے لئے کیا ہے، اور اب تو ہماری خواہش بھی نہیں کہ اُسے یہ سب کچھ معلوم ہو ــــ

اِس عشق نے جہاں ہمارے سینے میں آگ بھر دی ہے وہیں ہمیں ذرا جرأت بھی بخش دی ہے۔ اب ہم وہ پہلے سے بزدل اور محتاط عاشق نہیں رہے بلکہ اب تو ہم آپ کو بھی جرأت کا سبق دے سکتے ہیں۔ ہمارے دوست ہماری اس جرأت اور دلیری پر حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اب آپ ہمارے تازہ ترین کارنامے سُنیئے۔ پچھلے دنوں ہمیں ایک لڑکی بھا گئی۔ اور ایک دن موقعہ غنیمت جان کر ہم نے

اُس کے باپ سے سب کچھ صاف صاف کہہ دیا، اس لڑکی کے باپ نے کیا جواب دیا۔ یہ اور بات ہے، مگر ہم نے تو جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنا فرض ادا کر دیا۔

میرے ایک دوست نے تحقیق کے بعد پتہ چلایا کہ اس لڑکی کا باپ افریقہ میں رہتا ہے اور وہ پچھلے دو سال سے یہاں نہیں آیا۔ ہم نے کسی اور شخص سے اس لڑکی کے بارے میں بات کی ہوگی۔ لیجئے صاحب! اس کا مطلب تو صاف یہ ہے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔

بخدا ہم نے سچ مچ ایک ایسے شخص سے اس لڑکی کے بارے میں بات کی ہے۔ جو ہو بہو اس کا باپ معلوم پڑتا تھا، اگر وہ اُس لڑکی کا باپ نہیں تھا تو بتایئے اس میں ہمارا قصور؟

پچھلے سال میں اور میرا ایک دوست بس سٹاپ پر کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے، اتنے میں ایک لڑکی بغل میں کتابیں دبائے ہمارے قریب ہی آکر کھڑی ہوگئی میرے دوست نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً آلیں ٹپکانا شروع کر دیں۔ مجھے اس کی یہ حرکت سخت بری معلوم ہوئی، اِس سے پہلے کہ وہ لڑکی میرے متعلق بھی کوئی بری سی رائے قائم کر لیتی، میں نے آگے بڑھ کر کہا،

"ہیلو"

"فرمایئے" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" میں نے بے جھجک کہہ دیا۔

"کہیے" وہ سنبھل کر بولی۔

"میرے ساتھ چلئے" میں نے نرمی سے کہا۔

"مگر ——"

"تانگہ —— " میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سڑک پر ایک خالی تانگے کو بلایا، اور سہمی ہوئی لڑکی کو تانگے میں بٹھا کر شیزان میں چلا گیا، ایک پُرسکون سی کونے والی میز پر بیٹھ کر میں نے بیرے کو چائے کا آرڈر دیا۔ اور وہ لڑکی مدھم آواز میں بولی ——

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"یوسف جمال"

"آپ کو کوئی ضروری بات کرنا تھی" اُس نے مجھے یاد دلایا۔

"جی ہاں! مگر آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں" میں نے جلدی سے کہا۔

"میرا نام رضیہ ہے" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"مگر گھر میں تو سب آپ کو رضو کہتے ہوں گے؟" میں نے پیار سے کہا۔

"جی نہیں" اس کی آواز میں رکھائی تھی۔

"کیا میں آپ کو رضو کہہ سکتا ہوں؟" میں نے درخواست کی۔

"مگر آپ وہ ضروری بات کرنا چاہتے تھے" وہ ہنسی ضبط نہ کر سکی۔

"جی ہاں! مجھے آپ کے ساتھ شیزان میں بہت ضروری چائے پینا تھی"

میں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس" وہ تعجب سے بولی۔

"آپ کے لئے یہ معمولی بات ہوگی، مگر میرے لئے" میں رک گیا اور رضیہ کا سر شرم سے جھک گیا۔

دوسرے دن میں نے اپنی یہ رومانی سرگذشت اپنے ایک دوست کو سنائی اتنے میں وہ نابکار دوست آٹپکا جو کل بس سٹینڈ پر میرے ساتھ کھڑا بس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے میرے دوست سے کہا۔ کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ ایک لڑکی آئی ضرور تھی مگر وہ فوراً ہی تانگے میں بیٹھ کر چلی گئی تھی اور میں اس کے ساتھ جہاڑنی بس پر گیا تھا۔ یہ سارا واقعہ من گھڑت ہے اور میں ڈینگ ماراں کر رہا ہوں۔

لیجیئے اور سنیئے، اس کا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ ہمارا دماغ خراب ہے اور اب ہم کھلی آنکھ کے خواب دیکھتے ہیں۔

ہمارے اسی دوست کا کہنا ہے کہ ہم زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر چلتے ہیں۔ پہلے تو ہم بہت لڑے کہ ساڑھے تین فٹ کیوں، تین یا چار فٹ کیوں نہیں۔ مگر آخر کار ہم اس کی نیت بھانپ گئے اور ہم نے اقرار کر لیا کہ ہم زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر چلتے ہیں۔ مگر فوراً ہی ہم نے اسے اپنے جوتوں کی ایڑیاں دکھائیں جو گھسی ہوئی تھیں، ہم نے اس سے سوال کیا، کہ بھئی اگر ہم زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر چلتے ہیں تو پھر ہمارے جوتوں کی یہ ایڑیاں کس طرح گھس گئیں —

ہمارا یہ دوست آج تک اِس سوال کا جواب نہیں دے سکا، اور ہمیں یقین ہے وہ اِس سوال کا جواب عمر بھر نہیں دے سکے گا۔

اس کے لاجواب ہونے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہم زمین سے ساڑھے تین فٹ اوپر نہیں چلتے، آپ کا کیا خیال ہے؟

مری عادات ــــــ

اچھی: ــــــ

(۱) میں روزانہ غسل کرتا ہوں، صاف لباس پہنتا ہوں، اور شیو بنواتا ہوں۔

(۲) جھوٹ اِس خلوص اور اعتماد کے ساتھ بولتا ہوں کہ شاید آپ سچ بھی اس طرح نہ بول سکتے ہوں۔

(۳) خوبصورت لڑکی کی طرف کبھی مڑ کر نہیں دیکھا، لڑکی کو صرف دیکھتا ہوں اُس کی باتیں کبھی نہیں سنتا، لڑکیوں کی بات نہیں کرتا، لڑکیوں سے بات کرتا ہوں،

(۴) فلمیں اکثر سیکنڈ شو میں دیکھتا ہوں اور اکیلے دیکھنا پسند کرتا ہوں، ہر قسم کی فلم پسند کر سکتا ہوں۔

(۵) سڑک پر چلتے ہوئے کبھی کسی سے سگرٹ سلگانے کے لئے ماچس یا سگرٹ نہیں مانگتا، نہ وقت پوچھتا ہوں۔ نہ کسی مکان کا پتہ دریافت کرتا ہوں۔ اور نہ ہی کسی سائیکل پر جاتے ہوئے دوست کو آواز دیتا ہوں۔

(۶) کسی دوست کو کبھی خط نہیں لکھتا، البتہ خط کا جواب ضرور دیتا ہوں۔

(۷) بچوں اور کتوں سے بے اندازہ محبت کرتا ہوں۔ (اپنی ذات کے علاوہ)

(۸) دھوپ میں ہیٹ اور بارش میں چھاتا کبھی استعمال نہیں کرتا۔

(۹) دوسرے کی چیز کو کبھی اپنی چیز نہیں سمجھتا، نہ ہی دوسرے کے گھر کو اپنا گھر سمجھتا ہوں، اور ہر ایک دوست سے توقع رکھتا ہوں کہ میرے گھر کو وہ اپنا گھر نہ سمجھے' الّو کے پٹھے کو ہمیشہ الّو کا پٹھا ہی کہتا ہوں۔

اور بُری :—

(۱) ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ سچ بولنے والوں کو پسند کرتا ہوں۔ (جو اکثر سخت بور ہوتے ہیں)

(۲) لوگوں کو اپنی اچھی عادات بتاتا رہتا ہوں۔ اکثر اپنے متعلق باتیں کرتا ہوں۔

(۳) روج اور میکس فیکٹر مارکہ لڑکیوں سے سخت نفرت کرتا ہوں' اور باورچی خانے میں آٹا گوندھتے اور ہاتھوں کو مہندی لگانے والی لڑکیوں سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔

(۴) پروگرام بنا کر کوئی کام نہیں کرتا۔ اگر کہیں کبھی مجھے یہ علم ہو جائے کہ شیو بنوانا بھی روزانہ پروگرام میں ہے تو اس دن شیو نہیں بنواتا، مبادا پروگرام بنا کر کہیں کام کرنے کی عادت نہ پڑ جائے — شیو بازار سے بنواتا ہوں۔

(۵) دوستوں سے کسی قسم کی توقع نہیں رکھتا۔ کسی کو دوست نہیں کہتا، کسی کو دوست نہیں سمجھتا، ماں باپ' بھائی بہن کے علاوہ کسی کو رشتہ دار تصوّر نہیں کرتا۔

(۶) خوش رہتا ہوں۔ اور جب ہنسنے کو جی چاہتا ہے تو بلند بلکہ باآوازِ بلند قہقہے لگاتا ہوں۔

(۷) دھوپ سے چاندنی کا لطف اٹھاتا ہوں۔

(۸) وعدہ کر کے کبھی نہیں بھولتا، ویسے بھولے سے کبھی وعدہ ہی نہیں کرتا،

(۹) تصویریں بناتا ہوں، کہانیاں لکھتا ہوں، وغیرہ وغیرہ

(نوٹ) اس وقت جو اچھی اور بُری عادتیں یاد تھیں وہ لکھ دی ہیں، اس کے علاوہ بھی اچھی اور بری عادتیں مجھ میں موجود ہیں۔

میری پسند اور ناپسند:۔

اچھی چیزیں ——

بُری چیزوں میں سے بہت سی چیزیں مجھے پسند ہیں۔

بُری چیزیں ——

اچھی چیزوں میں سے بہت سی چیزیں مجھے ناپسند ہیں۔

تکیہ کلام:

کلام کرتے وقت میں بہت سے تکیوں کا سہارا لیتا ہوں، اس وقت میں جن تکیوں کا ذکر کروں گا، وہ بیرونِ خانہ ہوں گے، یعنی جنہیں میں چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے استعمال کرتا ہوں۔

(۱) مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔

(۲) اے خدا! اگر کوئی خدا ہے، میری روح کی حفاظت کر، اگر میری کوئی روح ہے۔

(۳) آیئے! خواہ مخواہ خوش ہو لیں۔

(۴) چلو کے چل کے چراغاں کریں ---

(۵) چلو کے برف پگھلنے کی صبح آ پہنچی ---

(۶) ہاہاہا، اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے تکیے ہیں۔ جہاں میں صرف صوتی اثرات سے کام چلاتا ہوں۔

(نوٹ) یہ تمام تکیئے میں انگریزی میں استعمال کرتا ہوں اسی لئے صرف دو تکیوں کے علاوہ باقی تمام یہاں آرام دہ محسوس نہیں ہوتے۔

لڑکی!

لڑکی!

او لڑکی!

آجا لڑکی!

ششی!

مستانہ!

او لگڑ بگے، سو جا سائے، یہ ریڈیو بند کر دے، سائبیریا کی موسیقی سے ـــ دھاگا ملانے کی جو تم کوشش کر رہے ہو نا ـــ یہ محض تمہاری حماقت ہے۔

لڑکی! او لڑکی!

او لگڑ بگے، او سالے! وہ گوری سی لڑکی جو آج نمائش میں ملی تھی نا! اُس سے مجھے کل متعارف کرادو، پھر شاید میں اپنے ولایت جانے کا پروگرام ملتوی کردوں۔

ہائے گوری! بھیا بڑی بات ہے اس میں!

وہ گورا رنگ، موزوں قد، سنجیدہ چہرہ، بے جان ہنسی، اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے، ہائے لگڑ بگے! وہ لڑکی ہے یا فلاسفی کی کسی کتاب کا دیباچہ ہے۔ مختصر اور دلچسپ دیباچہ!

لڑکی!

آجا!

لگڑ بگے!

"او ئے! لگڑ بگے نے لحاف میں سے سر نکال کر ریڈیو کو ذرا مدھم کرتے ہوئے کہا؛

سو جاؤ امیر حمزہ! کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔

لگڑ بگے! میری آواز اچانک نرم ہو گئی۔

سالا! لگتا اُس گوری لڑکی کا کچھ ــــ او ئے! تو اس کے خواب دیکھنے چھوڑ دے، سالے! یہ لڑکی اُس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں صرف اُن کی مائیں شادیاں کرتی ہیں۔ ورنہ اس سارے خاندان میں جوان لڑکیاں بوڑھی اور بوڑھی لڑکیاں جوان بننے کی کوشش میں زندگی کے دن پورے کرتی رہتی ہیں۔

مگر لگڑ بگے! یہ لڑکی ضرور شادی کرے گی۔

'اوئے! لگڑ بگا چلایا، لحاف میں سے منہ نکال کر بات کر سالے'

کیا ہے؟ میں نے ڈرتے ڈرتے لحاف میں سے منہ نکالا۔

'اوئے! تجھے الہام ہوا ہے کہ یہ لڑکی شادی کرے گی، لگڑ بگے نے کھا لینے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں! اسے ضرور شادی کر لینا چاہئے، میں نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

اوئے! لگڑ بگا چیخ کر اٹھ بیٹھا اس نے ریڈیو بند کر دیا، اور سگرٹ سلگا کر آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

آجاتے ہیں تو تیا ـــــ اب نوجوان اور کنواری لڑکیوں کے خواب دیکھنے چھوڑ دے سالے! تیری قسمت میں ماں لکھی ہے سمجھے ـ ماں! کم از کم دو تین بچوں کی ماں!

مگر لگڑ بگے! میں نے ملتجی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اوئے! تو میری طرف اس طرح مت دیکھا کر، میں تیری کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میرا کیس بدل جائے گا تو یہ محض تیرا وہم ہے، جیسے وہ فلاسفی کی کتاب کا دیباچہ تیری سمجھ سے باہر ہے، اسی طرح اس زمین پر پرورش پانے والی تمام کنواری لڑکیاں تجھ میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں رکھتیں ـــــ

یہ بالکل جھوٹ ہے ـــــ

یہ بالکل سچ ہے۔ اور اب تو سو جا اور میں امید کرتا ہوں کہ صبح جب تیری آنکھ کھلے گی تو وہ گوری لڑکی تجھے یاد نہ ہو گی، اور اگر وہ تجھے یاد رہی، تو میں تیرا سر توڑ دوں گا، امیر حمزہ کی اولاد، لگڑ بگے نے سگرٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر پھر ریڈیو کی موسیقی سے اپنا دھاگا جوڑنے کی کوشش شروع کر دی —

لڑکی!

او لڑکی، آجا،

ششش!

سنو! یہ لگڑ بگا کیا کہہ رہا ہے، یہ کہہ رہا ہے کہ میری قسمت میں ماں لکھی ہے۔ ماں!

ششش!

کم از کم دو تین بچوں کی ماں!

اور یہ کہتا ہے مجھے کنواری لڑکیوں کے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں،

ششش، او میرے چرنوں کی داسی!

تمہیں اپنی وہ محبت تو اب تک یاد ہو گی، جس نے تمہیں میرے چرنوں کی داسی بنا دیا تھا،

ششش! میری گنگا کی لہر، میرے کنول کی خوشبو، تو تو بیاہتا کنیا نہیں تھی، تو پوتر تھی، تو مجھ سے پیار کرتی تھی، تیرا پیار بھی پوتر تھا۔ شاید تو اب بھی پوتر ہو، تو شاید

اب تک میرا انتظار کر رہی ہو،

شمشی!

میری داسی! تو شاید ابھی تک اس راہ پر بیٹھی ان چرنوں کا انتظار کر رہی ہو

جو مجھے اِس دیس میں لے آئے ہیں، اس دیس میں جہاں ہیں کنواری لڑکیوں کے

خواب بھی نہیں دیکھ سکتا، جہاں مجھ سے مائیں محبت کرتی ہیں، دو یا کم از کم تین تین

بچوں کی مائیں۔

شمشی! تو بھی تو ماں تھی،

مگر تیرے بچے نہیں تھے" تیرے تین بچے نہیں تھے، ہاں تیرا ایک بیٹا تھا۔

اور وہ میں تھا،

شمشی!

میرے چرنوں کی داسی!

میری ماں!

ادئے! اپنی ماں کے لگتے کچھ ـــ سوجا، لگڑ بگا زور سے چلایا، اُس کا

سانبر یا سے جڑتا ہوا دھا کہ شاید پھر ٹوٹ گیا تھا،

ہاہاہا، ہاہاہا، ادئے لگڑ بگے ـــ تو کیوں جی ٹی بس بننے کی کوشش کرتا

ہے، یہ موسیقی تیرے بس کی بات نہیں ہے، تو رو رزات کو اسے سن کر سمجھنے کی

کوشش کرتا ہے ـــ اور یہ بہر معنٰی ہر رات تیرے سر کے اوپر سے گذرتی رہتی ہے،

اور تیرے سر پر غرور سے اُٹھے ہوئے بال دن بدن کم ہو رہے ہیں، خدا را اپنے اوپر نہیں تو ان بالوں پر ہی رحم کھاؤ، اور اگر تمہیں اپنے بالوں پر بھی رحم نہیں آتا تو کم از کم اس موسیقی پر ہی رحم کھاؤ۔ کیونکہ ایک دن اسی کوشش میں تم گنجے ہو جاؤ گے، اور جب تم گنجے ہو جاؤ گے تو یہ موسیقی تمہارے سر پر سے اطمینان کے ساتھ نہ گذر سکے گی —— بلکہ بیچاری ہر ہر قدم پر پھسلتی گرتی گذرا کرے گی ——

او ئے! لگڑ بگا چلّایا۔

اس ملک کی ان گنت ماؤں کے اکلوتے بیٹے —— سالے! اب تو موسیقی پر بھی باتیں کرنے لگا ہے تو تیا ——

لگڑ بگے نے غصہ میں ریڈیو بند کر دیا اور لحاف کو اپنے گرد اچھی طرح دبا کر وہ کچھوا بن گیا۔

کھڑکی میں سے بادل لہراتے ہوئے اندر آ رہے تھے اور کمرے کی تاریکی میں خنکی کا اضافہ ہو رہا تھا۔ لگڑ بگا شاید سو گیا تھا۔ اس امید کو سینے سے لگائے کہ شاید کل رات وہ سائبریا کی موسیقی سے اپنا دھاگا جوڑنے میں کامیاب ہو جائے، میں نے چہرہ لحاف سے باہر نکال لیا۔ جلتے ہوئے چہرے پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ بادل کی گرج لمحہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔ اور بجلی کی چمک میں کبھی کبھی کچھوا بنا ہوا لگڑ بگا صاف نظر آ رہا تھا۔

یہ لگڑ بگا بھی عجیب چیز ہے۔ میں بہت کم کسی کے متعلق سوچتا ہوں مگر لگڑ بگے

کی وارکو الٹی قسم کی شخصیت کچھ اتنی دلچسپ ہے کہ میں اکثر اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، بنانے والے نے اس کا وجود بناتے وقت قوس کی اہمیت کو اس درجہ نظر انداز کیا ہے کہ اِس کا سارا وجود ایک لمبی اور پتلی سی لکیر ہو کر رہ گیا ہے اور اس لکیر کا کوئی فقیر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سوں نے اِس لکیر کی فقیری کرنا چاہی اور رئیس بن گئے ——

کمرے کی تاریکی میں اچانک روشنی پھیل گئی ہے اور کھڑکی سے باہر آسمان پر پورا چاند جگمگا رہا ہے، ٹھنڈی ہوا بادلوں کو تیزی سے اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہی ہے، کاش میں اس لحاف سے نکل کر کھڑکی سے کود کر اِن بادلوں کی طرح ہوا میں تیر سکوں، اور شاید یہ ہوا مجھے بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جائے،

دور، بہت دُور ——

شمشی، او شمشی!

شاید تو اب تک میرا انتظار کر رہی ہو،

ممتاز!

او لڑکی!

تو ہر نئے گاہک سے اِسی طرح محبت جتاتی ہوگی، مگر اس کے باوجود میرا دل نہیں مانتا، عورت طوائف بن سکتی ہے، طوائف جسم کا کاروبار کر سکتی ہے، محبت کا کاروبار نہیں کر سکتی۔ کاروبار میں محبت سے کام نکل سکتا ہے، محبت میں کاروبار

سے کام نہیں چل سکتا، مجھے تیرا جسم، اس کی لذت، تمہارا چہرہ سب کچھ بھول چکا ہے، کچھ باتیں یاد ہیں، اور اِن باتوں میں سے صرف ایک فقرہ یاد ہے۔ جو اب بھی میری تنہائی میں گونجتا ہے۔ اِس وقت بھی وہی فقرہ میری تنہائی میں گونج رہا ہے،

"معشوق ایں ناپا یارا!"

ممتاز!

او لڑکی!

تو ممتاز ہے تو کبھی ممتاز محل نہیں بن سکتی، اور نہ ہی تجھے کوئی شاہ جہان ملے گا، جو تیری موت کے بعد، تاج محل تعمیر کرا سکے۔ تو غلط وقت میں، غلط ماحول میں پیدا ہوئی ہے، تجھے فوراً اپنا نام بدل لینا چاہیئے، کیونکہ اِس دَور میں لوگ تاج محل نہیں بنوا سکتے، البتہ تاج محل پر طنزیہ نظمیں ضرور لکھ سکتے ہیں،

ممتاز! تم نے شاید اِس دَور کے شاعر کی وہ نظم نہیں سُنی،

اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر

ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

میری محبوب کہیں اور مِلا کر مجھ سے ۔۔۔

ممتاز! اس شاعر نے کہیں اور مِلنے کو کہا تھا اور تم مجھے چکلے میں ملی تھیں،

ممتاز!

آسمان پہ چاند پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا ہے، شاید تم بھی اِس وقت چاند کو دیکھ رہی ہو گی، مگر نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ وقت تو تمہارے کاروبار کا ہے اس وقت تو تم اپنے تاریک اور گندے کمرے میں پنکھے کے نیچے بیٹھی اپنے کپڑے درست کر رہی ہو گی اور تمہارے قریب ہی چارپائی پہ بیٹھا ہوا مرد حریص نگاہوں سے تمہارے جسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا ہو گا، تمہارے سینے میں معصوم اور ننھی سی لڑکی سہمی ہو گی مگر تم اُسے نظر انداز کیے، حیا کا گلا گھونٹتے ہوئے اُس مرد کو مسکراتے ہوئے کہہ رہی ہو گی ـــــ

"مشوق ایں نا یارا"

ممتاز!

تم نے کہا تھا کہ کچھ دنوں تک تم اپنے وطن جہلم جا رہی ہو جہاں تمہاری ایک بوڑھی ماں ہے ایک یتیم بچہ ہے، جس کا باپ قتل کے الزام میں عمر قید ہو چکا ہے تم نے کہا تھا کہ تم عید اور محرم کا مہینہ اپنی ماں اور بچے کے ساتھ گذاروگی اور پھر چکلے میں چلی آؤ گی، چند سالوں کے بعد جب تم بوڑھی ہو جاؤ گی تو وہ بچا بچایا سرمایہ جو تم روز جمع کرتی ہو اپنے بچے کی تعلیم پہ خرچ کرو گی ـــــ اور جب وہ پڑھ لکھ کر جوان ہو جائے گا تو دفتر میں نوکری کرنے لگے گا اور تم اپنے گناہ بخشوانے حج کے لئے چلی جاؤ گی ـــــ تم داتا کے دربار میں ہر جمعرات کو جاتی ہو اور دعا کرتی ہو کہ اللہ تمہیں ایسا کرنے میں کامیاب کرے ....

اللہ کرے کہ تمہارے یتیم بچے کو کبھی علم نہ ہو کہ تم اپنا جسم بیچتی رہی ہو۔

ممتاز!

تم اگر جہلم میں ہو تو تمہیں چناب میں ڈوب مرنا چاہیے کیونکہ اخباروں میں روز یہ خبریں آ رہی ہیں کہ جہلم کے دریا میں پانی دن بدن چڑھ رہا ہے، اس سے پہلے کہ بڑھاپے میں تم اپنے خوابوں کو دھندلاتا دیکھو تمہیں جوانی میں ہی ان خوابوں سمیت ڈوب مرنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک تم بوڑھی ہو گی۔ تمہارا بیٹا جوان ہو چکا ہو گا۔ قاتل کا بیٹا ہندوستانی فلم میں ہیرو بن سکتا ہے۔ مگر عام زندگی میں وہ ہمیشہ میں دس نمبریا ہی رہتا ہے۔

ممتاز!

اب لاہور جا کر جب تم داتا کے دربار جانے لگو، تو ان پرانی اور گھسی پٹی دعاؤں کو بھول جانا، اور داتا سے دعا کرنا کہ وہ تمہیں موت دے، پرسکون اور جوانی کی موت ——— تاکہ تم اپنے سہانے خوابوں سمیت ابدی نیند سو سکو ———

ممتاز!

میں بھی لاہور جا رہا ہوں، اور میں زندگی میں پہلی اور آخری بار تمہارے لئے داتا دربار جاؤں گا، اور دعا کروں گا کہ کاش تم وہ دعا مانگ سکو جس کے لئے میں نے تمہیں کہا ہے۔

مجھے اب سو جانا چاہیے،

مگر یہ ہوا کے جھونکے میری نیند کو اڑا لے گئے ہیں۔
یہ چمکتا ہوا چاند مجھے بہکا رہا ہے،

اے چاند! چھپ نہ جانا
جب تک میں گیت گاؤں
یہ ساز زندگی کا
جی بھر کے میں بجاؤں

آہ!

اُڑتا ہوا یہ پنچھی
بھُولے سے ادھر آیا
انجان کے اِس گھر کو
اپنا ہے گھر بنایا
وہ سُکھ کی نیند سوئے
میں خواب بن کے آؤں
اے چاند چھپ نہ جانا
جب تک میں گیت گاؤں
یہ ساز زندگی کا
جی بھر کے میں بجاؤں

لڑکی!

او لڑکی!

کیسی ادا تھی جس پہ
آنکھیں ہوئیں دیوانی
یہ دل دماغ دُنیا
سب بن گئے کہانی
اِک رات کا یہ قصّہ
میں عمر بھر سناؤں
اے چاند چھپ نہ جانا
جب تک میں گیت گاؤں
یہ ساز زندگی کا
جی بھر کے میں بجاؤں ——میں بجاؤں ——میں بجاؤں۔

کچھ یاد رہے تو سُن کر جا
تو ہاں کر جا یا نہ کر جا
تو ہاں کر جا یا نہ کر جا، کچھ یاد رہے، تو، تو، کچھ یاد——

دُور دیش کا رہنے والا

آیا،

آیا دیش پرائے، اے، اے

دُور دیش کا رہنے والا،

آیا،

آیا دیش پرائے، اے، اے

من سے من کی پوچھ رہا ہے

اپنا بھید چھپائے، اے، اے

دُور دیش کا رہنے والا

آیا،

آیا، دیش، پرائے، اے، اے

نسِدن برست نین ہمارے

سدا رہت —

پھاوس رُت ہم سے

جب سے شیام سدھارے

نسِدن برست نین ہمارے، اے، اے، جب سے شیام سدھارے

ہو، تم دھیرے ہو،
ہو، تم
دھیرے،
دھیرے ہو،
مورے آتے ہوں گے چت چور، مورے، آتے ہونگے ——

——

نین ہین کو راہ دکھا پربھو ——
پگ پگ ٹھوکر کھاؤں میں
نین ہین کو ——
چھوں ہور مورے گھور اندھیرا
ڈھونڈ نہ پاؤں دوار تیرا
ایک بار پربھو ہاتھ پکڑ لو
پگ پگ ٹھوکر کھاؤں میں ——
نین ہین کو راہ دکھا پربھو، نین ہین کو —— او، او، او ——

——

چلے پون کی چال،
جگ میں ——

چلے پون کی چال
کٹ نہ سکے یہ لمبا رستہ
کٹیں ہزاروں سال
جگ میں ——
چلے پون کی چال، جگ میں، چلے پون کی چال —— چال،
جگ کی چلے پون کی چاآآآآآل، جگ میں ——

آج اپنی محنتوں کا مجھ کو ثمرہ مل گیا
آرزو جس کی تھی مجھ کو اس کا بدلہ مل گیا
آج اپنی محنتوں کا مجھ کو ثمرہ مل گیا
یہ نہ پوچھو کیا نہ پایا، یہ کہو کیا مل گیا
آج اپنی محنتوں کا ——

پریم بیل میں پھول نہ پتّے
نہ پھل ——
اِس میں آئیں
پریم بیل میں پھول نہ پتّے

نہ پھل، ال، ال، ال
اِس میں آئیں
پھر بھی من اتنا مورکھ ہے
نینن میں مسکائیں
پریم بیل میں پھول نہ پتے
نہ پھل، ال، ال، اس میں آئیں'

دیکھو بھیگے نہ چولی، بھگوئی موری ساری رے
دیکھو بھیگے نہ چولی'
تن ناچے من ناچے ہو گوری
موہے نہیں کچھ سُدھ بُدھ موری
نینوں میں نیناں جو ڈارے، بلم نے
مارے شرم نہیں بولی، نہ بولی، نہ بولی
بھگوئی موری ساری رے —
دیکھو بھیگے نہ چولی، بھگوئی موری ساری رے، دیکھو بھیگے نہ بھیگے نہ،

جھانک کر اس نے جو چلمن ڈال دی،

دیکھنے والوں نے گردن ڈال دی،

ارے ہاں جھانک کر اُس نے جو، ہاں، ہاں، جھانک کر اُس نے جو،

چلمن ڈال دی،

دیکھنے والوں نے گردن ڈال دی، دیکھنے والوں نے گردن ڈال دی،

دیکھنے والوں نے،

ارے ہاں، دیکھنے والوں نے، ہاں جی دیکھنے والوں نے، ارے ہاں،

جی ہاں، ارے ہاں، جی ہاں، ہاں ہاں،

دیکھنے والوں نے ——

گردن ڈال دی، ہے دیکھنے والوں نے گر —— دن ——

ڈا، ڈا، ڈال، دی —ی —— ای ای

(۳)

صبح جب میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ احمد علی اپنے بستر سے غائب ہے۔ میں نے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر زور سے لگڑ بگے کی طرف پھینکا، اور وہ سالا اطمینان سے بغیر ہلے جلے لحاف میں سے بولا۔

" ارے ہو بھی گیا نا سالے! کیوں جاگے ہوئے کو جگانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

" ادئے لگڑ بگے ـــــ یہ احمد علی کہاں غائب ہو گیا ہے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

" پتہ نہیں" لگڑ بگے نے لحاف میں سے سر نکال کر کہا۔

" سالا! " دیکھو بھیگے نہ چولی" گاتا ہوا غسلخانے کی طرف گیا تھا۔"

"ایلی"

"اوایلی"

"اوئے ایلی"

میں نے تین طرح سے تین آوازیں دیں، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ لگڑ بگا ریڈیو پر جھکا ہوا جالندھر اسٹیشن سے بھجن سننے کی کوشش میں مگن تھا۔ اور میں احمد علی کے بارے میں سوچ سوچ کر خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کوشش کر رہا تھا ــــ

مری میں آئے ہوئے آج ہمیں دس روز ہو گئے تھے، اور مے رینا ہوٹل کا کمرہ نمبر آٹھ زندگی میں تیسری بار خوش اور آباد نظر آ رہا تھا، کیونکہ ہم پچھلے دو سال سے اِس ہوٹل اور اِس کمرے پر بے انتہا مہربان تھے، اِس پہ مہربان ہونے کی سب سے بڑی وجہ اِس ہوٹل کا مالک اور اس کا برتاؤ تھا۔ احمد علی نے کہیں دو سال پہلے ایک واٹر کلر کیا ــــ جس میں یہ ہوٹل بھی تھا اور نمائش میں رکھتے ہوئے یونہی اُس نے اِس تصویر کا نام "مے رینا فرام مال" رکھ دیا، اور یہ بھی محض اتفاق سمجھئے کہ یہ تصویر ولایت کے آرٹ میگزین "سٹوڈیو" میں چھپ گئی۔ بس صاحب اس تصویر کا چھپنا تھا کہ ہوٹل کا مالک ہم پہ ایک دم بہت سا مہربان ہو گیا ــــ

ہم تینوں آرٹسٹ تھے، میں یعنی یوسف جمال، لگڑ بگا یعنی متین زلفی اور احمد علی یعنی کلرک، لگڑ بگے کو ہم لگڑ بگا میرا مطلب ہے زلفی کو ہم لگڑ بگا اس لئے کہتے تھے کہ وہ بالکل ہی لگڑ بگا تھا۔ احمد علی کلرک یا ایلی اس لئے کہلاتا تھا کہ وہ

سالا ہر کام کلرکوں کی طرح کرتا تھا، مثلاً آپ کھانے کی میز پر بیٹھے بیرے سے خلال مانگ رہے ہیں، یہ فوراً کوٹ کے کالر میں سے پن نکال کر دیدے گا، سڑک پر آپ کو خیال آگیا ہے کہ آپ کی قمیض کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ فوراً جیب سے بٹن کے ساتھ سوئی دھاگہ نکال کر بٹن ٹانک دے گا۔ آپ نے کسی راہ چلتے شخص کے بارے میں یونہی پوچھ لیا ہے۔ تو وہ آپ کو اس کے ماں باپ بھائی بہن، ماموں، چچیے بھانجے بھتیجے، بہنوئی تک کے نام بتا دے گا، لہٰذا ہم نے باقاعدہ میٹنگ میں اس کا نام کلرک تجویز کیا تھا۔ اور وہ منظور بھی ہو گیا تھا، مجھے یہ دونوں امیر حمزہ کہتے تھے، یقین جانئے اِس امیر حمزہ کا میری شخصیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، نہ تو میں کوئی عرب سے آیا ہوں، نہ میں ویسا لباس پہنتا ہوں، نہ ہی داستان گو قسم کی کوئی چیز ہوں، بس اب چونکہ ان کے نام رکھے گئے تھے اور میرا کوئی اس طرح کا نام نہیں تھا، اِس لئے صرف نام رکھنے کیلئے انہوں نے نام رکھنا تھا سو یہ مجھے امیر حمزہ کہنے لگے ـــــ

کاش اِس سلسلے میں یہ میری ہی کوئی مدد لے لیتے میں یقیناً انہیں کم از کم ایک ایسا نام ضرور تجویز کر دیتا جو تھوڑا بہت میری شخصیت کا ساتھ دے سکتا، مگر خیر صاحب ان کی مرضی۔

ہم تینوں آرٹسٹ تھے اور سکول ماسٹر تھے۔ میں اور لگڑ بگا لاہور کے سکولوں میں اور کلرک بہاولپور کے ایک نئے سکول میں آرٹ ماسٹر تھا، ادھری میں ہم ہر سال

تصاویر کی نمائش کے لیے آئے تھے، مری میں سے رینا ہوٹل، اس کا مالک اور بیروں کے علاوہ مری کے دکاندار اور شہروں سے آنے والے بہت سے لوگ ہمیں اچھی طرح جانتے تھے، اور مجھے تو مری کے تمام کتے بھی اچھی طرح پہچانتے تھے، ہم دن کو دس بجے سو کر اُٹھتے تھے، ناشتہ کرنے کے بعد بے دلی سے یونہی سے کپڑے پہن لیتے تھے۔ مگر کلرک روز صبح باقاعدہ شیو کرتا تھا۔ اور ہمیشہ تھری پیس سوٹ پہنتا تھا، سو صبح گیارہ بجے "ٹن ٹوٹس" میں کافی کا دور چلتا، ادھر اُدھر نمائش کے سلسلے میں گھوما پھرا جاتا اور لنچ کے بعد دوپہر کو باقاعدہ قیلولہ فرمایا جاتا۔ یہاں بھی امجد علی کلرک بے قاعدہ تھا۔ مثلاً وہ دوپہر کو لاہور سے آیا ہوا پاکستان ٹائمز ضرور پڑھتا تھا۔ اور جب تک اُسے کوئی سُرخ خبر نظر نہ آجائے وہ کبھی اطمینان سے قیلولہ نہ کرسکتا تھا، اس کے بعد وہ جوتے پالش کرتا، ہوٹل میں ہمسایہ لڑکیوں کو قیلولہ فرماتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتا اور لمبی تان کر سو جاتا تھا۔ چار بجے کی چائے پر بیرہ ہمیں خوشامد کر کے اٹھاتا تھا، اِس چائے پر شام کا پروگرام بنایا جاتا اور اس پروگرام میں میں اور کلرک گرم جوشی سے حصّہ لیتے اور لگڑ بگا اپنے سلائیس پر شہد لگاتا رہتا۔ جب سے لگڑ بگے کو میں نے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ شہد سے انسان کا وزن بڑھتا ہے اُس نے بے تحاشا شہد کھانا شروع کر دیا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے اُس کی حالت پر رحم آتا تھا۔ مگر کیا کرتا میں بھی مجبور تھا اِس قدر اعتقاد اور خلوص سے بولا ہوا جھوٹ میں واپس کیسے لے سکتا تھا، شہد لگانے اور

اور کھانے کے بعد مگرٹے لگا ریڈیو پر سیلون سنتا اور اور بیرے سے شیو کے لئے گرم پانی منگواتا اور پورے پانچ بجے میرا نائی آکر میری شیو بنانے لگتا۔ اِس شیو اور تیاری کے دوران میں بیرے کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ "بیئر" لے آئے۔ تھری پیس سوٹ پہننے کے بعد بیئر پی جاتی اور جدید آرٹ کے اہم مسائل پر نہایت سنجیدگی سے گفتگو کی جاتی

اکثر بیئر ختم ہونے پر گفتگو کسی نہایت ہی اہم مقام پر آکر رُک جاتی۔ لہٰذا اُسے کل کی نشست کے لئے چھوڑ دیا جاتا اور کلرک سے کہہ دیا جاتا کہ وہ یاد رکھے تاکہ کل کی نشست پر وہیں سے بات شروع کی جا سکے۔ اور ہمیں کلرک سے سخت شکایت ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اِس بات کو یاد رکھتا اور دوسرے دن عین وہیں سے گفتگو شروع کر دی جاتی، اب جہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ ہمیں کلرک سے شکایت تھی۔ وہاں مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ہم تینوں کو ایک دوسرے سے بہت سی شکائتیں تھیں، اور پھر کیوں نہ ہو، دن رات ساتھ رہنا پڑے تو شکایت کے مواقع تو خواہ مخواہ نکل ہی آتے ہیں۔ اب ہم آپ کو تمام شکایات تو نہیں گنوا سکتے۔ کیونکہ اِس طرح آپ کو بھی شکایت کا موقع مل جائے گا۔ بہرحال ہمیں ایک دوسرے سے جو بہت اہم اور بڑی ایک ایک شکایت تھی وہ پیش کئے دیتا ہوں ——

مگرٹیگے سے مجھے اور کلرک کو یہ شکایت تھی کہ کاش ایک بار صرف ایکبار

وہ ایک پل کے لئے ہمارے سامنے بالکل ننگا ہو جائے، مجھے اور مگر ڈبگے کو علی احمد کلرک سے یہ شکایت تھی کہ کاش کبھی وہ صبح اُٹھ کر شیو بنانا، تھری پیس سوٹ پہننا یا جوتا پالش کرنا بھول جائے، کسی روز اس کے کوٹ، پتلون یا قمیض کا کوئی ٹوٹا ہوا بٹن نظر آجائے —— اسی طرح مگر ڈبگے اور کلرک کو مجھ سے یہ شکایت تھی کہ کاش کبھی کسی بہت ہی پیاری لڑکی کی طرف میں ایک بار مڑ کر دیکھ لوں، یا پھر کسی ایسی لڑکی کو جسے وہ دونوں پسند کر چکے ہوں پسند کر لوں اور ان کے پوچھنے پر "مجھے کوئی دلچسپی نہیں" والا تکیہ کلام استعمال نہ کروں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ محض یہ شکایات ہی تھیں۔ جن کی بدولت ہم ایک دوسرے کے دن بدن بہت قریب ہوتے جا رہے تھے اور ایک دوسرے کو خوش کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اس امید پر کہ شاید کبھی کسی بہت ہی اچھے موڈ میں کوئی کسی کی شکایت رفع کر دے ——

بہرحال "بیئر" پینے کے بعد ہم تینوں تھری پیس سوٹ پہنے ہاتھوں میں چھڑیاں تھامے مال روڈ پر آ جاتے تھے، مری کے مال روڈ کو تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا، مجھ جیسا لمبا آدمی جو کہ خاص لمبا بھی نہیں اگر دھوپ میں مال روڈ پر کھڑا ہو اور اس کا مال روڈ پر جو سایہ پڑتا ہے نا، اور وہ سایہ جہاں ختم ہوتا ہے وہیں کہیں مال روڈ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ سو اس قدر مختصر مال روڈ پر آپ کتنی ہی "پیدل" اور "مریض نما" چال چلئے ادھر آپ قدم اٹھائیے اُدھر مال روڈ ختم ہو جاتی ہے، اور رستا ہے

پہاڑوں پر شام اکثر مال روڈ پر گھوم کے گذاری جاتی ہے تو صاحب سُنی سنائی میں ہیں اگر ہم ہر شام مال روڈ کے سینکڑوں چکر لگا ڈالتے تھے اور ان سینکڑوں چکروں میں ہمارے پلے کیا پڑتا تھا۔ چند چہرے جو بار بار ہمارے سامنے آتے تھے کبھی کبھی مجھے اِس حرکت سے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ اور میں اکثر محسوس کرتا تھا جیسے سرکس میں لکڑی کے ایک ایسے گھوڑے پر بیٹھا ہوں جو ایک چکر کی صورت میں گھوم رہا ہے —— اور مجھے اس مال روڈ پر بہت سے چہروں، بہت سے گراروں بہت سے سوٹوں پر بہت سے اعتراض تھے، کوئی چہرہ اچھا تھا، تو لپ سٹک کا شیڈ نہایت بیہودہ تھا۔ کوئی چہرہ اچھا لپ سٹک کا شیڈ قابلِ قبول تھا تو ہنسی نہایت غیر رومانی یا چال نہایت ہی بھدّی تھی۔ غرض یہ کہ مال روڈ کے ہر ایک مرد و زن سے ہمیں کم از کم ایک شکایت ضرور تھی، اور ہم روز دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے اور بوکھلاتے تھے مگر اِس مرض لاعلاج کا کوئی علاج نہ کر پاتے تھے، آخر ایک دن ہمارے ایک فوٹو گرافر دوست نے بتایا کہ مری کی مال پر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ہم تینوں کو دیکھ کر بہت جلتے ہیں، وہ ہمیں "اوچھا" "فنی" "ملبے" "ہوائی رسٹ" "وھڈے ہیرو" "لونڈیچے" اور خدا معلوم کِن کِن ناموں سے یاد کرتے ہیں، اپنے فوٹو گرافر دوست کی یہ بات سُن کر ہم تینوں تو نہیں کم از کم میں بہت خوش ہُوا۔ اُس دن مال روڈ پر میرے بلند قہقہوں کی آواز سُن کر دو بچوں نے رونا بند کر دیا، ایک بچے نے رونا شروع کر دیا، اور ایک ماں کی گود میں سویا ہُوا بچہ جاگ گیا، اُس شام

ہیں نے یہ سوچ سوچ کر کہ لوگ ہمیں دیکھ کر بھی جلتے ہیں، انہیں بھی ہم سے شکایت ہے، ہیں نے مال روڈ کے ان گنت چکر لگائے، خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا، خوب جی بھر کر سویا، اور اُس رات نیند میں ہیں بہت لمبی لمبی تقریریں کرتا رہا۔

شام کی سیر کوئی نو بجے کے قریب ختم ہو جاتی تھی اور وہ بھی یوں کہ جب مال روڈ کسی حد تک سنسان ہو جاتا تو ہم کسی بھی ایک ایسی لڑکی کو چن لیتے جسے گھر تک چھوڑ کر آیا جا سکتا تھا، شام کی چائے چونکہ عموماً ہم دو تین کورس کی کرتے تھے۔ لہٰذا بھوک لگانے کا یہی ایک واحد اور رومنٹیک ذریعہ تھا۔ دوسرے مجھے تو اس بات میں اِس لئے بھی لطف آتا تھا کہ لڑکی خواہ مخواہ اِس غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہے کہ آرٹسٹ بھی اُسے پسند کر سکتا ہے سو روز، کبھی کشمیر پوائنٹ اور کبھی پنڈی پوائنٹ کا چکر لگ جاتا، کبھی کبھار چار پانچ کورس کی چائے یا عام لڑکیوں سے ذرا پیاری لڑکی ہمیں ٹیرڑی سے اکھاڑ کر "سنی بنک" کی طرف بھی اٹھا لے جاتی۔ اِس قومی خدمت کے بعد ہم مے رینا کے تاریخی ڈائننگ ہال میں پہنچ جاتے۔ مے رینا کا ڈائننگ ہال تاریخی اہمیت کچھ تو پہلے بھی رکھتا تھا یعنی اُس کی میزیں اور کرسیاں مَیں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ عجائب گھر سے آئی ہیں اور چونکہ عجائب گھر سے یہ کرسیاں خریدی نہیں جا سکتیں اِس لئے لگڑ لگا اور محمد علی کلارک کہتا ہے یہ تاریخی نہیں ہیں، اُن کو حالانکہ اِس بات کا بخوبی علم ہے کہ تقسیم ملک کے دوران میں خاصی لوٹ مار ہوئی تھی اور مَیں نے ان دونوں کو ٹیکسلا میوزیم

کے ان خالی شو کیسوں کا حوالہ بھی دیا ہے جن پر "ہیڈ آف بدھا" کا چھوٹا سا بورڈ تو لگا ہے مگر بدھا کا ہیڈ غائب ہے اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ مجسمے تقسیم سے پہلے دہلی کی ایک نمائش میں گئے تھے اور تقسیم کے بعد واپس نہیں آئے، بھلا پوچھئے کیا عجائب گھر سے کرسیاں تقسیم کے دوران میں ہوٹل نہیں پہنچ سکتیں؛ خدا معلوم یہ بھی دہلی کی نمائش میں ہی بھیجنے کے لئے نکالی گئی ہوں۔ میں تو خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ یہ دہلی نہیں گئیں۔ کیا ہوا جو عجائب گھر نہیں پہنچیں اپنے ملک میں تو ہیں،

بہرحال اس کے علاوہ مے رینا کا ڈائننگ ہال تاریخی حیثیت اپنی کراکری کی وجہ سے رکھتا ہے۔ مثلاً آپ کوارٹر پلیٹ مانگیے، تو ہاف پلیٹ آجائے گی ہاف پلیٹ مانگیے تو فل اور اگر کہیں آپ فل پلیٹ مانگ بیٹھے تو اس کے سنبھالنے کے لئے حضرت آدم کا دل گردہ درکار ہے، جو تھوڑی بہت تاریخی کسر اس ڈائننگ ہال میں بقایا تھی وہ ہم نے یوں پوری کر دی کہ ایک ٹیبل پہ ہم تینوں نے اپنے ناموں کی تختیاں لگا دی ہیں اور اس کونے کی دیوار پہ جہاں یہ ٹیبل ہے، ایک بورڈ بھی لگا دیا گیا۔ اگر کبھی آپ مے رینا ہوٹل میں جائیں تو اس کے ڈائننگ ہال میں ضرور جائیے گا۔ وہاں آپ کو اس قسم کا بورڈ نظر آئے گا۔

متین زلفی

علی احمد

یوسف جمال

"تین لمبے مشہور اور جدید مصوّر یہاں کھانا تناول نہیں کرتے تھے، بلکہ باقاعدہ کھاتے تھے۔"

غرض اِس ڈائننگ ہال سے کھانا کھا کر ہم لوگ پھر مال روڈ پر آ جاتے ہیں اور پنڈی پوائنٹ کی طرف جدھر اترائی ہے ذرا مٹر گشت کے لیے چل دیتے ہیں اور ہماری یہ مٹر گشت کراچی سویٹ مارٹ تک جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں احمد علی اور متین زلفی کھڑے پان چباتے ہیں اور میں ذرا برفی قلاقند یا کبھی کبھی جلیبی سے جی بہلاتا ہوں، پھر وہاں سے واپسی پر سارے دن کے پروگرام پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ مے رینا ہوٹل واپس پہنچ کر کلرک اور میں تو اپنے کپڑے قرینے سے ہینگرز پر لگا دیتے ہیں اور لگڑ بگا انہیں اِدھر اُدھر کوٹ اس دروازے پر اور پتلون ریڈیو پر رکھ کر بستر میں گھس جاتا ہے، اُس کی زندگی کا اور اس کے علاوہ سارے دن کا نازک وقت یہی ہوتا ہے جب وہ سائبریا کی موسیقی سے اپنا دھاگا جوڑنے کی کوشش شروع کرتا ہے۔ اُسے اِس موسیقی میں ماتیس کی ڈیکوریشن، براق کا ٹیکسچر، اور پکاسو کی لائین کوالٹی نظر آتی تھی اور وہ مجھے اور احمد علی کو اس پر لمبے لیکچر دینے کی کوشش کرتا تھا، مگر ہر بار اُس کا سانس پھول جاتا ہے لگڑ بگے میں ایک بہت بڑی کوالٹی ہے اور وہ یہ کہ ایک وقت میں صرف تین فقرے بول سکتا ہے۔

لڑکی ؟
او لڑکی !
میں نے سگرٹ سلگا کر بستر پہ لیٹتے ہوئے نعرہ لگایا ۔
آہ حمیدہ !
ہائے حمیدہ !
اُف حمیدہ !
میری قدآور، قابلِ قدر، خود طفیل محبوبہ !
تو کہاں ہے ؟

"اوے کلرک ! سالے خط لکھ کے بلا کیوں نہیں لیتا، اوئے اُس اپنی طوطا پری کو ـــــ" لگڑ بگا چلّایا ۔

"اور تو امیر حمزہ ! تجھے تو کچھ کھا کے سو جانا چاہیئے ۔" لگڑ بگے نے دوسرے محاذ کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا

"تم کچھ کہہ رہے ہو لگڑ بگے ۔" میں نے زمی سے قریب رُتے ہوئے کہا :

"بھیا ! میں بہت کچھ کھا چکا ہوں ، نیند بھی تو آئے ـــــ"

لگڑ بگا پل بھر کے لئے تو ٹانگ کھجاتا رہا اُس کے بعد منہ پر لحاف لپیٹ کر ایک بار اُس نے پھر سائبریا کی موسیقی سے اپنا دھاگہ جوڑنے کی کوشش کی ۔

"امیر حمزہ!" مجھے پیار سے کلرک نے مخاطب کیا

"ہاں بھائی میرے احمد علی جونیئر کلرک" میں نے بھی پیار کا جواب پیار سے دیا۔

"تم مجھے پسند کرتے ہو نا؟" کلرک کے لہجے میں التجا تھی۔

"ہاں میرے پیارے کلرک، تو اگر اپنی محبت کا ثبوت چاہتا ہے تو بتا —— کیا میں تیرے لیئے مارک شیگال کے گنجے سر پر سے ایک سفید بال لے آؤں پکاسو کے نیلے سلیپر تجھے چرا کر لا دوں، ماتیس کا چشمہ چرا لاؤں تاکہ وہ دو چار دن تصاویر نہ بنا سکے —" میں نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"بس بس میرے دوست، میرے بھائی، امیر حمزہ! مجھے تمہاری محبت کا یقین آ گیا" احمد علی جلدی سے بولا۔

"تو بتا پھر تو کیا چاہتا ہے؟"

"میں چاہتا ہوں —میں —" کلرک رک گیا۔

"ابے سالے تو ہچکچا کے کیوں چاہ رہا ہے، جلدی سے چاہ لے نا" مجھے ڈر تھا کہ میرا وقتی حاتم طائی والا موڈ کہیں ختم نہ ہو جائے۔

"میں تمہیں بیگم حمیدہ کی کچھ باتیں سنانا چاہتا ہوں" آخر اس نے جرأت کر کے کہہ دیا۔

ضرور سناؤ، اور بلند آواز سے سناؤ، مجھے یقین ہے تمہاری باتیں سارا بر با

کی موسیقی سے ہزار گنا بہتر ہوں گی۔" میں نے لگڑ بگے کو چڑانے کیلئے کہا۔

"اچھا!" احمد علی کلرک فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے سگرٹ نکال کر اسے اُس لائٹر سے سلگایا جسے آج ہی میں نے ایک چینی کی دکان سے غیر شعوری طور پر چرایا تھا۔ لگڑ بگے نے بڑبڑاتے ہوئے ریڈیو بند کر کے کہا۔۔۔

"ہاں تم سُنا لو پہلے اپنی ہاتھی بیگم کی باتیں۔۔۔"

"مگر مجھے بات کرتے وقت پس منظر میں موسیقی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تم ریڈیو آن کر دو، اور خبردار جو تم نے بیگم حمیدہ کو آئندہ طوطا پری، ہاتھی بیگم یا کچھ اور کہا۔۔۔ تم سالے چیونٹی ہو تا تمہیں ہر صحت منداور موزوں جسم کا آدمی ہاتھی نظر آتا ہے۔۔۔ لگڑ بگا کہیں گا۔۔۔ کلرک نے کچھ اس طرح رونے والی صورت بنائی کہ مجھے سخت صدمہ ہوا، میں نے بھی زلفی کو جھاڑ پلائی۔۔۔ ایک دو منٹ، سارا کمرہ، تینوں پلنگ، ڈریسنگ ٹیبل، وارڈروب، ریڈیو، غرض کے کمرے کی ہر چیز پر گہرا سکوت چھایا رہا۔۔۔ اس کے بعد کلرک نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"موسیقی"

اس کا موسیقی کہنا تھا کہ لگڑ بگے نے فوراً ریڈیو آن کر دیا۔ کلرک نے سگرٹ کا ایک گہرا کش لگایا اور مدھم آواز میں بولا۔

"امیر حمزہ! تم نے بیگم کی تصویر تو دیکھی ہے نا؟"

"ہاں بھئی دیکھی ہے۔" میں نے پیار سے کہا

"وہ تصویر سالی خراب ہے۔ بیگم حمیدہ ویسے خوب چیز تھی۔ عمر میں ذرا لمبی تھی، مگر یار! کیا محبوبیت تھی، کیا انداز تھے کیا برتاؤ تھا، دیکھنے میں گو وہ مجھ سے کہیں بڑی تھی، مگر محسوس کرنے میں مجھ سے قسم لے لو وہ سولہ سال سے بھی کم کی لگتی تھی۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ضد نہیں کرتی تھی میرا مطلب ہے ایک دو باتوں کے علاوہ کسی معاملے میں کبھی ضد نہ کرتی تھی۔ وہ ہسپتال میں نرس تھی، یہ اس زمانے میں اگر آپ کو کمل فرینڈ میرا مطلب ہے محبوب خود کفیل مل جائے تو اور کیا خاک لینا ہے۔ یہ سالا لگڑ لگا کہتا ہے، ہوتی تھی، دیوکارانی کی طرح پرانے طرز کے بال بناتی تھی، بھلا پوچھئے، کہ صاحب آپ کو مطلب، عاشق ہم ہوئے ہیں اس پر، وہ ہمیں چاہتی ہے۔ ڈی پی وہ ہماری ہے۔ تم بھلا کون ہوتے ہو بھئی۔" کلرک نے سگرٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

لگڑ بگا یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اس نے قطعاً کچھ نہیں سنا۔

"ہائے ڈی پی ـــــ" کلرک نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

یہاں مجھے یہ ٹرم ڈی پی کی وضاحت کر دینا چاہیئے، ورنہ آپ لوگ خواہ مخواہ پریشان ہوں گے۔ ڈی پی ہم اس گرل فرینڈ کو کہتے ہیں۔ جسے خلوصِ دل کے ساتھ نہایت ایمانداری، وضع داری اور پردہ داری کے ساتھ فلرٹ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک اور گرل فرینڈ ہوتی ہے جسے لائٹ

ریفریش منٹ کہتے ہیں۔ اِسے خلوصِ دماغ کے ساتھ یونہی اس کا دل رکھنے کیلئے فلرٹ کیا جاتا ہے، لین دین کے معاملہ میں یعنی سینما ہوٹل اور شاپنگ وغیرہ کے معاملہ میں ڈی پی اور ہم برابر کے شریک ہوتے ہیں یعنی ففٹی ففٹی، اور لائٹ ریفریش منٹ کے سلسلے میں ہم ایک پیسے کے بھی شریک نہیں ہوتے، جو خرچ ہوتا ہے سو فیصدی اُسی طرف سے ہوتا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ ہم اُسے کمپنی دیتے ہیں ویسے ڈی پی سے ہماری مراد دھرم پتنی ہے ——

ہاں تو کلارک نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جب ڈی پی کو بلایا تو مجھ سے نہ رہا گیا میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ زور سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا ——

"آہ ڈی پی!"

اس پر کلرک نے یک دم پیچ و تاب کھایا اور روٹھنے کے انداز میں بولا۔

"یہ تم میری ڈی پی کو اپنی ڈی پی کی طرح کیوں یاد کر رہے ہو؟"

"اوہو! میاں الحاج مولانا محمد احمد علی، بی اے کلرک، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھئی۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"یعنی؟" وہ سر تا پا سوال بن گیا۔

"بھئی میں تو اپنی ڈی پی مہ گل کو یاد کر رہا تھا۔"

"ارے! اچھا، وہ شاہی خاندان کی پٹھان دوشیزہ وغا روڈر!" وہ شرارت سے بولا۔

"ہاں" میں خوش ہو گیا۔

تو بھیا امیر حمزہ، کچھ اُس دغا دوڑ محبوبہ دل بہارہ و جانفزا کے عشوہ و غمزہ کی بات کرو۔" سالا کلرک الف لیلوی ہو رہا تھا۔

"کروں" کیوں بھئی لگڑ بگے؟" میں نے زلفی کا سا بریا سے جڑتا ہوا دھاگہ توڑتے ہوئے اُس کی ٹانگ کھینچی ——

اُس نے جب گھور کر میری طرف دیکھا تو میں نرمی سے بولا۔

"میرا مطلب ہے کروں ؟"

ادہو بھی گیا نا، تو تیو! اپنی اِس بک بک میں مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہو اُس کلرک سالے نے مجھ سے پوچھ کر اپنا قصہ شروع کیا تھا جو تم پوچھ رہے ہو، جو جی میں آتا ہے کرو، مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔" لگڑ بگے نے چڑ کر کہا۔

"دیکھو لگڑ بگے، تم میرا تکیہ کلام استعمال نہیں کر سکتے۔" مجھے غصہ آگیا اور زلفی سالا مسکرانے لگ گیا،

میں نے غیر شعوری طور سے چرایا ہوا لائٹر میز سے اٹھایا اور سگرٹ سلگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مہ گل! کیا مرد کی بچی اور ائیر کنڈیشن قسم کی معشوق تھی، شکل و صورت اس کی ہر چند آفتاب و ہر چند ماہتاب اگرچہ نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ خاصی خوبصورت اور خوب سیرت تھی۔ دیکھنے میں واہ واہ اور محسوس کرنے میں آہ ہی آہ تھی، ملی ہمیں

بھی سیکنڈ ہینڈ ہی تھی، گو قد کاٹھ میں "بیوک کار" سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ مگر سلی کے دماغ میں غالباً "فی ایٹ" کار کے پرزے فٹ کئے ہوئے تھے' عمر میں کوئی بتیس سے اوپر مگر عاشق کچھ اس قدر جلد بازی میں ہو گئی۔ جیسے ابھی ابھی میٹرک میں فیل ہوئی ہے' اور خود سے انتقام لینے کی غرض سے عشق کرنا چاہ رہی ہے ــــ میں نے لاکھ سمجھایا کہ بھئی یہ عشق وشق کا معاملہ تیرے بس کی بات نہیں ہے عشق اور اظہار عشق تیری زبان سے ادا ہوتا ہوا یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی انگریز پشتو بول رہا ہو، مگر صاحب ذات کے پٹھان اگر بات مان جائیں تو انہیں پٹھان کون کہے ــــ اس نے بڑے طمطراق سے عشق کیا ایک دن جو بھنا کر میں نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا، تو وہ غصّہ میں لال پیلی ہو کر بولی ــــ

"نو سالہ تقسیم ملک میں گھر چھوڑا، شوہر مارا گیا بچہ خود مر گیا" لے دے کے ایک پاکستان میں تم ہمیں الاٹ ہوا ہے اور تم بھی نخرے کرتی ہے۔"

"اوہو، مگر تم نے درخواست دی ہوتی، اپنا نقصان دکھا کر کوئی پہلے شوہر سے اچھا اور بڑا مرد چنا ہوتا یہ تم سراپے ایک جھونپڑے پر قبضہ جما کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔" مجھے بھی غصہ آ گیا، مگر صاحب اس کے غصّے سے مجھے تو غصہ آیا تھا اور میرا خیال تھا میرا غصہ دیکھ کر اسے مزید غصّہ آئے گا۔ اور لڑ جھگڑ کر آج معاملہ ختم کر دیں گے، مگر میرا غصہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ اور اُس نے میری گردن میں باہیں ڈال دیں اور سر کو میرے سینے سے لگا کر فوراً رومنٹیک ہو گئی۔

"قندی! تم جھونپڑے نہیں ہو تم میرے لئے محل ہو، رنگ محل ہو، تاج محل ہو اور اگر تم اب میرے ساتھ اس طرح غصے میں بات کرو گی تو ——"

"تو؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

میں کھڑکی میں سے تمہیں دھکا دے کر خود بھی چھلانگ لگا دوں گی ——

اُس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

مجھے جانے کیوں فوراً ہی اس کی حالت پر رحم آ گیا اور پھر "قندی" کچھ اُس نے اِس انداز میں کہا تھا کہ مجھے اب تک اُس کا سرور محسوس ہو رہا تھا۔" میں سگرٹ کو ایش ٹرے میں پھینکنے کے لئے رُک گیا۔

"اوئے یہ قندی کے کیا معنی ہوتے ہیں اوئے امیر حمزے؟" لگڑ بگے نے ریڈیو بند کر کے پوچھا۔

"لگڑ بگے، قندی کہتے ہیں میٹھے کو، جیسے انگریزی میں "ہانی" اپنی محبوبہ کو کہا جاتا ہے نا، اِسی طرح پٹھان جب پیار کرتا ہے نا، تو وہ قندی کہتا ہے، میرا مطلب ہے کہتی ہے، تو ہاں! کلرک احمد علی! یار لطف بڑا تھا سالی کے عشق میں، اور پھر اِس عشق میں ورائٹی کی جو کوالٹی تھی نا، اُس میں بڑا مزا تھا۔ امیر حمزہ نے ہندی میں پیار کیا، اردو میں محبت کی، انگریزی میں لَو کیا، صرف یہ ایک فارسی نما پشتو

ہیں عشق کرنا باقی تھا، سو بھیا اِس میں بڑا لطف تھا کبھی کبھی وہ گل موڈ میں آکر فارسی غزل سنایا کرتی تھی، وہ گھر میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ فارسی بولتی تھی؛ اُسے ایران کے بہت سے لوک گیت یاد تھے ——— اور وہ ان گیتوں کو میری فرمائش پر بار بار مجھے سنایا کرتی تھی ——— ایک آدھ مجھے یاد ہے، سناؤں؟"

"ضرور" لگڑ بگے نے لحاف میں سے سر نکال کر کہا۔

"ایک گیت تھا، مجھے ٹھیک طرح تو یاد نہیں، مگر کچھ اِس طرح تھا ———

قبرستان کے پچھواڑے میں
جو ایک خوبصورت باغ ہے
وہاں روز صبح سویرے
بہت سے محبت کرنے والے
اپنے اپنے محبوب کو لے کر
سرو کے درختوں کے نیچے
صبوحی کے جام پیتے ہیں
اور عمر بھر ساتھ رہنے کا
وعدہ کرتے ہیں

—

اس باغ کے پچھواڑے میں

جو ایک ویران سا قبرستان ہے
وہاں روز صبح سویرے
ایک نوجوان اور حسین دوشیزہ
ایک سفید سنگِ مزار کو
گا کر اور رو رو کر
اپنے آنسوؤں سے دھوتی ہے

اِس طرح کے گیت سُنا کر وہ اُداس ہو جایا کرتی تھی۔ اور کبھی کبھار جب وہ اپنے بچپن کے ساتھی اور سکھیوں کا ذکر کر کے وہ کھیل کود میں گائے ہوئے گیت سناتی تھی۔ تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ایران کے کسی بہت ہی خوب صورت باغ میں ایک چھوٹی سی ننھی منی بچی کے ساتھ بیٹھا گڑیا گڈے کا کھیل کھیل رہا ہوں وراصل مگر ڈیگے ! یہ مہ گل بے چاری جوانی میں محبت نہ کر سکی تھی، اور میں جب اُسے ملا تھا نا، تو میری محبت نے اُس کے اندر دبی ہوئی اُس نوجوان لڑکی کو نکال لیا تھا وہ مجھ سے نوجوان لڑکیوں کی طرح محبت کرتی تھی، اُسی طرح روٹھتی تھی، اُسی طرح ضد کرتی تھی، اُسی طرح آنسو بہاتی تھی —— اور اُسی طرح ——"

میں رُک گیا، کلرک نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں اور اُسی طرح ——"

"تمہارا عشر ـــــ" میں چڑ گیا۔

"سالو، اس وقت میں بہت جذباتی ہو رہا ہوں اور اب واقعی مہ گل مجھے زار و قطار یاد آ رہی ہے، آہ مہ گل! تو واقعی عظیم تھی۔ تیری محبت میں خلوص تھا، تیری محبت میں ایرانی قہوے کی گرمی تھی اور وہ جو مجھے تم نے چھوٹے چھوٹے فارسی کے فقرے یاد کرائے تھے نا، وہ اب تک مجھے یاد ہیں، تو اگر اب مجھے سڑک پر جاتی ہوئی نظر آ گئی تو میں تجھے فارسی میں بلاؤں گا۔

"مہ گل بانو، کجا مے روی"

مہ گل بانو، اینجا بیا، بالا بیا، پائین بیا"

"اوہو بھی گیا نا ـــــ سالے تجھے تو سچ مچ فارسی ہو گئی ہے" لگڑ بگے نے مچلتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہو گئی ہے ـــــ اور پھر کیوں نہ ہو سالو، شہزادی سے عشق کیا ہے تمہاری طرح گوجرانوالے کے گوجر کی لڑکیوں یا نرسوں سے عشق نہیں کرتے، جاؤ ہم نہیں سناتے اب کچھ۔"

"ارے تم مجھے سناؤ نا، اس لگڑ بگے کو گولی مارو" کلرک نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں بس ـــــ ہمارا موڈ ہی نہیں رہا اب، اس لگڑ بگے سے سنو اب، اپنی سالی جے اے وی ٹرینڈ استانیوں کے معاشقے ـــــ" ہم نے نفرت سے جواب دیا۔

"ہاں بھئی متین زلفی، سناؤ نا یار" کلرک نے فرمائش کی۔

مگر متین زلفی المعروف مگر ڈبگا، لحاف اوڑھ کر اور اپنی آستین کا سانپ سونگھ کر سو گیا، پانچ سات منٹ تک ہم باقاعدہ اُس کی خوشامدیں کرتے رہے۔ اور جب سچ مچ کچھ سنانے کے موڈ میں آ کر وہ لحاف میں سے نکلا تو ہم "ہمیں کوئی دلچسپی نہیں" کہہ کر لحاف میں گھس گئے —— یہ وار ذرا گہرا تھا۔ لہٰذا مگر ڈبگے نے سائبریا کی موسیقی کو ڈھال بنانا ہی اس وقت مناسب سمجھا ——

دو منٹ تک مسلسل سائبریا کی موسیقی کا "ے رینا" ہوٹل کے کمرہ نمبر آٹھ پر راج رہا، اس کے بعد یک لخت میں نے کلرک کو مخاطب کر کے کہا،

"بھیا احمد علی! تم کس قسم کی لڑکی کو بیوی بنانا پسند کرو گے؟"

"توبہ کرو بیوی!" کلرک نے حقارت سے بیوی کا لفظ ادا کیا۔

"میاں امیر حمزہ! بچی، لڑکی، عورت، یا تو یہ میری ڈی پی بن سکتی ہے یا لائٹ ریفریشمنٹ، بیوی وغیرہ نہیں بن سکتی۔ اور پھر تم نے وہ تو سنا ہی ہو گا۔

کون کسی کی بیوی بابا،
کون کسی کی بیوی!
بچی، لڑکی عورت یارو
یا ڈی پی، یا ڈی پی
بابا ——

"کون کسی کی بیوی کون کسی کی، کون کسی کی، کون کسی، ای ای ای کی ای ای ای"
کلرک نے باقاعدہ گانا شروع کر دیا تھا۔ اور لگڑ بگے کا تاریخی فقرہ "ارے ہو بھی
گیا نا سالو" اس کے گانے کی چیخ و پکار میں کئی بار جنم لے کر کئی بار دب چکا تھا، جب
ذرا یہ آہ و بکا اور افراتفری کا دور دورہ کم ہوا تو میں نے بہت ملائمت سے کہا۔
"زلفی! تم بتاؤ۔"
"امیر حمزے! مجھے ایک ایسے والد کی ضرورت ہے جو ایک نہایت خوبصورت
کار رکھتا ہو۔ بنک میں اس کا بے شمار روپیہ ہو، جائداد ہو، اس کے علاوہ وہ ایک
عدد نوجوان خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی کا مالک ہو، یعنی میرا مطلب ہے باپ بس،
اگر ایسا کوئی والد، یا چلو والدہ ہی سہی اگر اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہوں تو یہ
زہر بھی کھا سکتا ہوں، زندگی میں جہاں اتنی ذمہ داریاں ہیں وہاں چند ایک اور سہی،
مر پیٹ کر، کار بھی رکھ لوں گا، بینک کے روپے اور جائداد کی دیکھ بھال کے علاوہ
اس نیک بخت کی بھی دل جوئی کرتا رہوں گا۔"
"بس! اتنی کم شرائط" کلرک نے تعجب سے پوچھا۔
"اوے کلرک، تو اور کیا سالے، ہم شادی کر رہے ہیں، کاروبار تھوڑا ہی کر رہے
ہیں کہ شرائط پیش کریں۔" لگڑ بگے نے فخر سے کہا
"اور تم بھئی امیر حمزہ! اب تم بتاؤ۔"
"بھائیو! تم دونوں کی باتیں سن کر میرے ذہن میں بیوی کا تصور خواہ مخواہ کچھ

شرماسا گیا ہے۔ بہر حال میں چونکہ اِس مسئلے پر بہت سوچ بچار کر چکا ہوں۔ اِس لئے بتلائے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ مجھے ایک ایسی بیوی کی ضرورت ہے، جو غریب گھرانے کی ہو، میٹرک پاس نہ ہو، زیادہ سے زیادہ سولہ سال کی ہو، قبول صورت ہو، اور اپنا مقام باورچی خانہ سمجھتی ہو، جو گھر کا تمام کام کاج کرے، میرا کوئی دوست گھر ملنے آئے تو نوکر سے کہلوا دے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں، صحت مند بچے پیدا کرے، سر درد، تھکن، کم تنخواہ اپنے کپڑوں اور سہیلیوں کے زیور کے متعلق کبھی بات نہ کرے۔ لپ سٹک اور نیل پالش کی بجائے دنداسہ اور مہندی لگائے۔ سر پر سرسوں کا تیل لگانے کے بعد درمیان سے چیر نکالے، اور زور سے کس کر چوٹی بنائے، ناک میں چھوٹا سا لونگ پہنے، میں اگر کہیں شہر سے باہر چلا جاؤں تو مجھے خط لکھے وقت "میرے سرتاج" کا القاب دے، اور آخر میں لکھے، آپ کی کنیز، بس، بھیا احمد علی، اور میاں متین زلفی صرف اس طرح کی ایک لڑکی ہی آپ کی کنیز صحیح معنوں میں ہو سکتی ہے۔ ورنہ آپ کی کنیز تو سب لکھتی ہیں۔ مگر وہ کنیز کسی اور کی ہوتی ہیں ——"

" مائی مائی! ارے میاں امیر حمزہ! بھیا! یہ کلرک کا خطاب مجھ سے تم لے لو، کیونکہ تم نے ابھی ابھی جو بیوی کی تصویر ہمیں دکھائی ہے، وہ تو ہو بہو ہمارے ماحول کے ایک سیدھے سادھے کلرک کی بیوی ہے۔"

"تم غلط کہتے، میرے پیارے کلرک! افسانوی دنیا میں کلرکوں کی بیویاں ایسی ضرور ہوتی ہوں گی، مگر عام زندگی میں کلرک کی بیوی ایسی نہیں ہوتی، عام زندگی میں

تو وہ، شمع، رومان اور بیسوی صدی رسالے پڑھتی ہیں۔ اشوک کمار کی آنکھیں، دلیپ کمار کے بال، اور راج کپور کے چہرے پر مرتی ہیں، ہفتے میں دو بار زنانہ شو دیکھتی ہیں۔ ریڈیو پر فرمائش کرتی ہیں کہ فلم انداز کا ریکارڈ "تو کہے اگر جیون بھر" سُنا دیجئے، اور پھر ——— خیر ہٹاؤ، تم کلرک ہو کلرک کی بیوی کو نہیں ———

"اوہو پھر گیا نا، اب سوتے مرتے ہو، یا میں اُٹھ کر سر توڑ دوں تمہارا، سالے شرم نہیں آتی، کنوارے ہو کر خواہ مخواہ خاوندوں کی طرح بیویوں کے قصے لے بیٹھے ہیں، اور پھر بعد میں کہتے ہیں، ہم بھی آرٹسٹ ہیں۔"

انگڑ بگا سچ مچ غصے میں تھا،

میں اور کلرک فوراً لحاف میں گھس گئے اور انگڑ بگے نے چھڑی سے بتی گل کر دی ✿

(۴)

ایچ حیدر نے ہمیں صبح سویرے کچی ہی نیند میں کوئی نو بجے کے قریب آکر جگا دیا۔

حیدر کو ہم پیار سے خرّم کہتے تھے اور یہ خُرّم کا نام اُس کا اپنا تجویز کیا ہُوا تھا یہ بھی ہماری طرح جدید مصوّر تھا مگر خوش قسمتی سے سکول ماسٹر نہیں تھا۔ وہ ابھی ابھی لاہور سے ہماری نمائش کے افتتاح میں حصہ لینے آیا تھا۔ مگر ہم سے یہ معلوم کرکے کہ ابھی نمائش کے افتتاح کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا وہ بے چارا کچھ مایوس سا ہو گیا تھا۔ وہ مری میں صرف ہفتہ اور اتوار گذارنا چاہتا تھا۔ کیونکہ دفتر سے اُسے صرف ایک دن کی ہی چھٹی ملی تھی۔

خُرّم ایک اچھا آرٹسٹ ہونے کے علاوہ نہایت ہی دلچسپ قسم کی خُردمیت

کا مالک تھا، کبھی کبھی تو وہ اتنا متاثر کرتا تھا کہ میں دل میں دعائیں کیا کرتا کہ کاش آدمی میں آدمیت کی بجائے خرومیت ہوتی تو یہ دنیا کس درجہ دلچسپ حسین اور رہنے کے قابل بن جاتی، اس کے علاوہ خروم باتیں بڑی دلچسپ کرتا تھا۔ پچھلے سال مری میں خروم حمزہ، شو ہوا تھا یعنی میں نے اور خروم نے مل کر تصاویر کی نمائش دی تھی۔

اُن دنوں خروم ہم سے اتنا بے تکلف نہ تھا، اِس لیے وہ اکثر ہم تینوں میں سے کسی کو مخاطب کرتے وقت مسٹر لگایا کرتا تھا۔

"مسٹر حمزہ"

"مسٹر زلفی"

"مسٹر علی"

ہم نے اس کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ مسٹر والا معاملہ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے نہیں چل سکتا۔ مگر جب وہ باز نہ آیا تو ہم فوراً بھانپ گئے کہ یہ مسٹر اس کا تکیہ کلام ہے، سو اس تکیئے سے نجات دلانے کے لئے ہم نے ایک شرط عائد کر دی اور وہ یہ تھی کہ خروم دن میں جتنی بار مسٹر کہے اتنی اٹھنیاں جرمانہ۔ اِس شرط سے دو بہت خاطر خواہ نتائج نکلے، ایک تو روز شام کو "لِن ٹوٹ" میں خروم آٹھ یا دس اٹھنیوں کی چائے پلاتا۔ اور دوسرے وہ ہم سے جلد ہی بے تکلف ہو گیا اور مسٹر کا لفظ خروم کے ذخیرہ الفاظ سے یوں نکل گیا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں،

اس دفعہ خرّم نے اپنی بات کرنے کے انداز کو ایک اور روپ میں بدلا تھا، وہ ہر فقرہ یوں شروع کرتا تھا۔

مثلاً— "یہ تو آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ---"

آپ کوئی بات کہیئے وہ اپنی بات اسی فقرے سے شروع کرے گا۔ خیر ہم تینوں سمٹ سمٹا کر اپنے بستروں میں بیٹھ گئے، بیرا بیڈ ٹی لے آیا، اور اس کے بعد لاہور کی تازہ ترین خبریں حیدر نے سنانا شروع کر دیں، مگر بگے کو اچانک اخبار کی وہ خبر یاد آ گئی جو ہم نے ریل میں "تعمیر" یا "کوہستان" میں پڑھی تھی، لہٰذا وہ بڑی مسکین اور سنجیدہ صورت بنا کر بولا ——

"ابے خرّم! وہ سالا ذاکر علی گرفتار ہو گیا ہے۔"

"یہ تو آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے وہ جوا کراتا تھا، یا پھر جیسے وہ چرس کا ناجائز کاروبار کرتا تھا، خرّم نے بڑی ہی خرّمیت میں مگر بگے سے کہا۔

"ارے یہ سچ کہہ رہا ہے بھئی۔" کلرک بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں خرّم!" میں نے بھی فوراً میک اپ بدلا۔

"یار! دیکھو سالا، اتنا بزرگ اور شکل و صورت سے کتنا شریف اور معزز نظر آتا تھا اور پکڑا گیا ہے۔ ایک لڑکی کو قتل کرنے کے الزام میں۔"

"یہ تو آپ نے ایسی خبر سنائی ہے جیسے کوئی کسی کو یک دم کنوئیں میں دھکیل دے، یہ کب کی بات ہے؟" خرّم کو یقین آ گیا۔

"بھئی ہم نے تو مری آتے ہوئے دس روز پہلے اخبار میں پڑھا تھا۔ تمہیں کچھ علم نہیں، تم لاہور سے آئے ہو؟" زلفی نے کہا۔

"کمال ہے خُرّم، تم رہتے کہاں ہو؟" کلرک نے تعجب کا اظہار کیا۔

"یار! آج کل دفتر میں ایسے کام ہیں جیسے لڑائی کا زمانہ ہو۔ خرم نے مصروفیت کا بہانہ کیا۔

"مگر خرم! میں اُس ذاکر علی سالے کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، وہ جو کچھ دنوں سے گُم سُم سا رہتا تھا۔ تصویریں بھی نہیں بنا رہا تھا اور چمن آباد میں چھٹیاں اور اتواریں گذارتا تھا، مجھے پہلے ہی شک تھا" میں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

اور یہ قتل ہوا بھی چمن آباد میں ہی ہے، ذاکر علی کے ساتھ ایک اور آدمی شک میں پکڑا گیا ہے" مگر بگے نے کہا۔

"میں شرط لگانے کو تیار ہوں۔ دوسرا آدمی بالکل بے گناہ ہے" کلرک نے رعب سے کہا۔

"مرتا مرتا یہ کمینہ ایک اور کو بھی ساتھ لے مرا ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

خُرم کو اب بالکل یقین آ چکا تھا۔

بیرہ ناشتہ لے آیا اور ہم سب ناشتہ کرنے میں لگ گئے۔ کبھی کبھی ہم خرم کی طرف چور نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا

اور وہ اپنی سوچتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بے دلی سے آملیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا
اور ایسے ناشتہ کر رہا تھا جیسے کوئی گناہ کر رہا ہو۔

ناشتے کے دوران میں خاصی خاموشی چھائی رہی، حیدر نے زہر مار کر کے
چائے پی اور سگرٹ کا گہرا کش لگا کر ایک آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"بہت بُرا ہوا ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہوا ہے ۔۔۔" کلارک نے گرج کر کہا۔

"مجھے تو یہ خبر سُن کر رتی برابر بھی تعجب نہیں ہوا، تم جانتے ہو میں سراغرساں
ہوں، مجھے علم تھا یہ کسی دن ایسی ویسی کوئی حرکت ضرور کرے گا۔"

لگڑ بگے نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

اِس کے بعد کچھ عرصے کے لئے پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

احمد علی کلارک اب جیل کے تجربات پر روشنی ڈال رہا تھا، آخر اُس نے خُرّم
کو بہت رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"خُرّم! اگو ذاکر علی کمینہ تھا مگر خیر سالا آرٹسٹ تو تھا نا آخر ۔۔۔ تم اب لاہور
جاتے ہی اُسے جیل میں ضرور ملنے جانا، اور اپنے ساتھ صابن اور سگرٹ ضرور لے
جانا ۔۔۔ کیونکہ قیدی کو ان دو چیزوں کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

خُرّم ایک فرمانبردار بچے کی طرح کلارک کی باتیں سنتا رہا۔

دس بج گئے تھے۔ اس لئے حسبِ معمول سب نے تیاری شروع کر دی۔

خرم کے لئے گرم پانی منگوایا گیا۔ تاکہ سفر کی تکان کو وہ گرم غسل سے دور کرے اور گیارہ بجے کے قریب سب تیار ہو کر مال روڈ پر آ گئے۔

"امیر حمزہ! یار وہ کتے والیاں آئی ہیں؟" خرم نے مال پر آتے ہی پہلا سوال یہ کیا۔

"نہیں" میں نے کہا۔

یکایک چلتے ہوئے مجھے خاموشی کا احساس ہوا، میں نے خرم کی طرف دیکھا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ رو رہا ہے، اس وقت مجھے اس کا سوال اور اپنا مختصر سا جواب یاد آیا۔ تو میں نے اپنے آپ کو سخت لعنت ملامت کی دراصل خرم نے جب یہ سوال کیا تھا اس وقت میں کچھ سوچ رہا تھا۔

بہر حال یہ "کتے والیاں" بھی بہت عجیب و غریب مخلوق تھیں، ان لڑکیوں کی تعداد دو تھی، اور یہ "فیر فیلڈ" ہوٹل سے ذرا اوپر چڑھائی چڑھتے ہوئے دائیں ہاتھ کی بڑی کوٹھی میں رہتی تھیں ان کے والدِ بزرگوار کہیں آزاد کشمیر میں بڑے ملازم تھے جب زمانے میں "خرم حمزہ" شو ہو رہا تھا تو یہ دونوں اپنے ایک بھائی اور ایک کتے کو لے کر ہماری نمائش دیکھنے روزانہ آیا کرتی تھیں۔

ایچ حیدر خرم کو ان کے آنے پہ اعتراض نہ تھا۔ ان کے روز آنے پر اعتراض تھا، ویسے یہ روز آنے پر بھی اُسے اعتراض نہ ہوتا اگر وہ اپنے بھائی اور کتے کو ساتھ لے کر نہ آیا کرتیں، لہٰذا خرم روز دل ہی دل میں کڑھتا مگر بے حد شریف ہونے کے

باعث اُن سے کچھ نہ کہہ پاتا۔ مگر ایک دن تو غضب ہی ہو گیا۔ ہم مال روڈ کا چکر لگا کر جب نمائش میں پہنچے تو دروازے پر بیٹھے ہوئے ملازم نے ہماری طرف ہماری نمائش کی ایک "کیٹے لوگ" بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا

"جی وہ دو لڑکیاں دے گئی ہیں یہ کہہ کر کے میں آپ کو دکھا دوں" ملازم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ان کے ساتھ ایک کتا اور ایک لڑکا بھی تھا" خُرّم نے فوراً سوال کیا۔

"جی ہاں" ملازم نے کہا۔

خُرّم اُن لڑکیوں کو گالیاں دے رہا تھا اور میں "کیٹے لوگ" کے اُس صفحے پر جہاں خُرّم کی تصویر تھی نظریں جمائے قہقہے لگا رہا تھا،

"مسٹر حمزہ! آخر بات کیا ہے" خرّم "کیٹے لوگ" پر جھک گیا۔

اور جب خُرّم نے دیکھا کہ ایک نسوانی ہاتھ نے نہایت ہی خوبصورت طریقے کے ساتھ اسکی تصویر کے نیچے — $\frac{۸۴۰}{۱۶۸۰} = \frac{۴۲۰}{۸۴۰} + \frac{۴۲۰}{۸۴۰}$ لکھا ہُوا تھا۔ تو اس کا خون کھولنے لگا اُس کی چونچ دار ناک پر پسینہ آگیا اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔

اگر وہ اس وقت مجھے نظر آجائیں —" خرّم رُک گیا۔ میں نے جب خرّم کی طرف دیکھا تو وہ مال روڈ کی طرف دیکھ رہا تھا اور جب میں نے مال روڈ کی طرف دیکھا تو وہ لڑکیاں مال روڈ پر سے گزرتے ہوئے خرّم کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھیں

خرم نے جلدی میں میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ساتھ کھینچتا ہوا ان لڑکیوں تک پہنچ گیا۔ لڑکیوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے خرم کی طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ آپ نے لکھا ہے؟" خرم نے "کٹے لوگ" کا وہ صفحہ دکھایا جس پر اس کی تصویر کے نیچے لکھا تھا۔

"جی نہیں" چھوٹی لڑکی نے کہا۔

"آپ کو شرم آنی چاہئے —— آپ جھوٹ بول رہی ہیں ——" خرم نے تمام خرومیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو کئی دن سے نوٹ کر رہا ہوں، آپ کہیں کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں"۔ اس دفعہ بڑی لڑکی نے کہا۔ ان کا بھائی اور کتا خاموش کھڑے تھے۔

اگر آپ غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں، تو پھر مال روڈ پر اکیلے گھوما کیجئے" یہ اپنے بھائی اور پھر کتے کو ساتھ لے کر گھومنے میں کیا تک ہے۔ کیا ان دونوں میں سے ایک آپ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں ہے۔"

"جی نہیں"۔ اب پھر چھوٹی لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ بہت بے شرم ہیں" خرم نے حقارت سے کہا۔

"جی نہیں۔" اس دفعہ بڑی لڑکی نے کہا تھا۔

ادھر اُدھر کے لوگ کچھ کچھ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی تیاری کر رہے تھے، میں نے موقعہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے بھاگ لیا جائے۔ اور میں خرم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے پھر نمائش کے ہال کی طرف لے گیا۔

تو صاحب! یہ تھیں وہ کُتے والیاں، اور یوں ہوا تھا خُرم صاحب کا ان کے ساتھ نہایت ہی رومانی قسم کا تعارف'

اس واقعہ کے دوسرے روز لگڑ بگے نے آکر خرم کو اطلاع دی، کہ ان دو عدد کتے والیوں میں سے ایک عدد بڑی لڑکی بُری طرح خُرم پر عاشق ہے اور وہ جو کل اس کی تصویر کے نیچے ۱۶۸۰ = ۸۴۰ + ۸۴۰ — ۸۴۰ = ۴۲۰+۴۲۰ لکھ گئی ہیں، یہ کوئی طنز یا مذاق نہیں، بلکہ ایک نہایت ہی معشوقانہ اور لطیف اشارہ ہے ——

"یعنی؟" خُرم نے غصہ میں زُلفی سے پوچھا۔

"بھئی خرم! یہ اُن کا ٹیلیفون نمبر ہے۔" لگڑ بگا سنجیدگی سے بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"مجھ سے خود تمہاری اُس محبوبہ ول نواز عرف کتے والی نے بزبان خود اقرار کیا ہے۔" لگڑ بگے نے اطلاع دی۔

"یہ جھوٹ ہے۔" خرم نے جیسے خود سے کہا۔

"یہ سچ ہے،" کلارک بولا

"میں خود اس وقت وہاں موجود تھا جب اُس لڑکی نے یہ بات کہی۔

"مگر میں ان کی کیا پرواہ کرتا ہوں' ان کا یہ معشوقانہ انداز ایک نہایت بھونڈا مذاق تھا، اور ایسی لڑکی کے ساتھ ایک کتا اور ایک بھائی چل پھر سکتا ہے میں گزارا نہیں کر سکتا" خرّوم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"مگر میرے دوست خرّوم! میں نے نرمی سے کہا۔

"تم شادی شدہ اور چار عدد بچوں کے باپ ہو، اور گذارہ کرنا یوں کہہ رہے ہو جیسے اُس سے تمہیں نکاح پڑھانا ہوگا۔ میاں یُونہی بس بے چاری کو "ڈی پی" بنالو۔"

"ہرگز نہیں" وہ چلایا۔

"تو لائٹ ریفریشمنٹ ہی سہی" کلرک نے سفارش کی۔

"وہ اِس قابل بھی نہیں" خرّوم نے نفرت سے کہا۔

"تو لعنت بھیجو" لگڑ بگا بھی طیش میں آکر بولا۔

"انشاء اللہ لاہور پہنچ کر ٹیلیفون کے ذریعے یہ بھی کردوں گا۔" خرّوم نے زور سے زمین پر چھڑی مارتے ہوئے جواب دیا۔

تو صاحب یہ روداد غم تھی اِن کتے والیوں کی اور اس جذباتی وابستگی کی بنا پر خرّوم نے مال روڈ پر آکر سب سے پہلے یہ سوال کیا تھا۔ مگر جب اُسے یہ پتہ چلا کہ اس بار وہ مری ہی نہیں آئیں تو وہ بہت اداس ہوگیا۔ اور یہاں بھی سالا

لگڈ بگا ہی کام آیا، اُس نے خرم کو بتایا کہ وہ کُتّے والیاں اِس سال اِس لئے مری نہیں آئیں۔ کیونکہ اخبار میں اُنھوں نے یہ خبر پڑھ لی تھی کہ اِس بار حمزہ، زلفی، اور علی کی نمائش ہے۔ اور تم جانتے ہو ہمیں تو وہ قطعاً لفٹ نہیں دیتیں، اور مری آنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ——

"ہوں!" خُرم اب ذرا پہلے سے آرام وہ حالت میں تھا۔

"گھومتے گھامتے ہم "جی پی او" پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر کلرک نے لگڑ بگے کو یاد دلایا کہ بارہ بجے گورنر کے ملٹری سیکرٹری کو ٹیلیفون کرنا تھا۔ کہ گورنر سے مل کر نمائش کی تاریخ مقرر کی جائے، لگڑ بگا کیمسٹ کی دکان میں ٹیلیفون کرنے چلا گیا اور ہم تینوں درزی کی دکان میں "کارڈ نگنز" دیکھنے گھس گئے، تھوڑی دیر بعد لگڑ بگے نے آکر اطلاع دی کہ گورنر نمائش کا افتتاح کرنے کیلئے تیار ہو گیا ہے اور اِس ماہ کی اٹھائیس تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔

"آج سے پانچ دن بعد —— کاش میں ٹھہر سکتا" خُرم نے دن گنتے ہوئے کہا۔

"بھئی چھٹی لے لو" لگڑ بگے نے کہا۔

"نہیں ملے گی —— بہت کام ہے۔ خُرم نے جواب دیا۔

"استعفےٰ دے دو" میں نے آسان ترکیب بتائی۔

"چار بچے ہیں" خرم یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

خرم ویسے تو ہمارا ہم عمر تھا۔ مگر بس آپ اسے بچپن کی غلط کاریوں کا نتیجہ سمجھئے جو وہ اس کمسنی میں چار بچوں کا باپ بن گیا تھا۔

"بھئی پانچ دن درمیان میں ہیں۔ اب ہمیں فوراً کام شروع کر دینا چاہیے۔"

کلرک یک دم سنجیدہ ہو کر اپنے کلرکی کے روپ میں آ گیا۔

لہٰذا طے پایا کہ اسی وقت مال روڈ اور "لن ٹورٹ" کی کافی کو نظر انداز کر کے ہمیں "مے ریٹا" کے کمرہ نمبر آٹھ میں پہنچ جانا چاہیے، تاکہ خرم اور امیر حمزہ پوسٹر بنائیں کلرک دعوتی رقعے ٹائپ کرے اور رگڑ لیگا ہوٹلوں اور مختلف گھروں کی فہرستیں تیار کرے، اور ہم چاروں بے حد سنجیدہ چہرے لئے ہوٹل میں واپس آ گئے۔

اس کے بعد جو ہم نے کام کیا وہ تمام تر پروگرام بور ہے۔ اس لئے آپ کو بتانا مناسب نہیں۔

حسب معمول چار بجے چائے پی گئی، شیو بنائی اور بنوائی گئی اور اس کے بعد تپائی میز کے گرد چاروں نے بیٹھ کر بیرپی اور آج جدید مصوری پہ بحث کرنے کی بجائے خرم کی وجہ سے جغرافیئے پر بحث چلی۔ جغرافیہ کے معاملہ میں خرم پورا گلوب ہے۔

چھ بجے شام کو جب ہم بیریز کے قریب پہنچے تو دو حصوں میں تقسیم ہو گئے یعنی میں اور خرم ایک طرف اور رگڑ لیگا اور کلرک دوسری طرف۔ ہمیں ہوٹلوں میں

پوسٹر لگانے تھے اور انہیں ہوٹلوں میں دعوتی رقعے پہنچانا تھے۔

یہی وہ شام تھی جس میں میں پہلی بار اس موسم میں مگر ڈبگے اور کلرک سے جدا ہوا تھا۔ اور یہی وہ مبارک ترین شام تھی جب مجھے "برائٹ لینڈ" میں نوٹس بورڈ پر پوسٹر لگاتے وقت سلطانہ ملی تھی۔ میں اس کی وجاہت اور حسن کا تو اسی وقت قائل ہو گیا تھا جب اس نے مسکرا کر کہا تھا،

"میرا نام سلطانہ ہے، مجھے بھی پینٹ کرنے کا شوق ہے۔"

"یہ میرا دوست ایچ حیدر، یہ بھی ہمارے گروپ کا آرٹسٹ ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی ——" سلطانہ نے حیدر سے ہاتھ ملا کر بڑی بے دلی سے یہ ادھورا سا فقرہ کہا تھا، اور پھر مجھ سے مخاطب ہو گئی تھی:

"کل صبح! کافی پر آئیے۔" اس نے التجا سی کی تھی۔

"یہ ہمارے دوست حیدر لاہور سے آئے ہیں اس لئے کل نہیں ——"

میں نے بہت ہی نرمی سے جواب دیا تھا۔

"پرسوں" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"شاید" میں نے کہا۔

"شاید نہیں ضرور، گیارہ بجے" اتنی بات کہہ کر وہ کس اعتماد سے مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ اور اس کی مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جان چکی ہو کہ میں ضرور، پرسوں صبح گیارہ بجے اس کے ہاں کافی کے لئے آ رہا ہوں۔

"کیوں بھئی خرم ؟" ہوٹل سے باہر نکلتے ہوئے میں نے کہنی سے ٹہوکا دے کر ایچ حیدر سے سوال کیا۔

"امیر حمزہ! تم بڑے کمینے ہو، کل آتے تو ہم بھی تمہارے ساتھ آجاتے، اب تم پرسوں آؤ گے اور اس تصور سے کہ تم اس کے ساتھ بیٹھ کر کافی پی رہے ہو گے میں اُردو اور انگریزی دو زبانوں میں سفر کروں گا۔ یعنی ایک تو سفر اور دوسرے SUFFER —"

ویسے تمہیں پسند آئی؟ میں نے خوشی سے پھولا نہ سماتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" خرم نے نیم پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"ذرا عورت کم اور بے باکی زیادہ ہے، مگر خیر، اگر یہ 'ڈی پی' بننے کی امیدوار ہوئی، تو ہم اکثر 'برائٹ لینڈ' میں کافی پیا کریں گے۔" میں نے خرم کو پرسوں کے بعد کا بھی پروگرام بتا دیا تاکہ کم از کم غیر آرام دہ سفر کے بعد وہ لاہور تو جا کر چین سے سو سکے۔

"میرا تو خیال ہے اسے 'لائٹ ریفریشمنٹ' ہی بناؤ۔" خرم نے مشورہ دیا۔

"منظور ہے، مگر ایک شرط پر —" میں نے کہا۔

"وہ کیا ہے؟" خرم نے سوال کیا۔

"وہ یہ ہے کہ تم لگڑ بگے اور کلرک کو اس کے متعلق بالکل مت بتانا۔" میں

نے زمی سے کہا۔

"کیوں؟" اُس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"بس میں ذرا آج کل پُر اسرار قسم کا عشق کرنے کے موڈ میں ہوں۔ اس میں جو سنسنی محسوس ہوتی ہے نا۔ وہی عشق کی جان ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا نہیں بتائیں گے۔" خرم مان گیا۔

برائٹ لینڈ میں پوسٹر لگانے کے بعد ہم "سبیل" ہوٹل میں پہنچے، وہاں یونہی بے دلی سے پوسٹر لگایا اور پھر اوپر مال پر آ گئے، خرم بار بار کشمیر پوائنٹ کی طرف چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ جدھر کلارک اور لگڈبگا گیا تھا مگر میں اُسے پنڈی پوائنٹ کی طرف کھینچ رہا تھا۔ آخر یہاں بھی وہی پیاری سی خرمیت آڑے آئی اور وہ میری بات مان گیا۔

بہت لمبی اور تھکا دینے والی سیر کے بعد ہم نو بجے "مے رمینا" کے ڈائننگ ہال میں پہنچے، لگڈبگا اور کلارک ہم سے کچھ منٹ ہی پہلے آئے تھے، انھوں نے جب پوچھا کہ ہم اتنی دیر غائب کہاں رہے۔ تو حیدر خرم مسکرانے لگا۔ مگر میں نے فوراً جواب دیا۔

"یار! وہ برائٹ لینڈ میں سالا ایک بوڑھا بقراط مل گیا۔ ہم نمائش کا پوسٹر لگا رہے تھے۔ اور اُس نے آکر اُس پر اعتراض شروع کر دیئے، کہ یہ عورت ننگی کیوں ہے؟

یہ عورت اس طرح کیوں ہے؟ اور پھر عورت ہی کیوں ہے خرم نے پوچھا کیوں صاحب آپ کا کیا خیال ہے یہاں عورت کی بجائے اور کیا ہونا چاہیئے تھا۔ وہ بولے کچھ بھی ہوتا۔ خرم نے کہا۔ آپ بتائیے تو سہی آخر کیا چیز یہاں پر اچھی لگ سکتی تھی ——

وہ بولے، یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر کوئی اور چیز بن سکتی تھی، اگر آپ نے عورت ہی بنانا تھی تو پھر وہ عورت ہوتی، یہ کیا ہے؟ عورت ہوتی، اس نے کپڑے پہنے ہوتے۔ یہ بھلا کیا تک ہے۔ یہ آرٹ کا آپ لوگوں نے کیا حشر کر دیا ہے۔ خرم کو میں نے لاکھ اشارے کئے۔ مگر یہ بھی غالباً بحث کرنے کے موڈ میں تھا۔ بس بھائی وہ وقت اور یہ وقت، تجریدی مصوری کا پورا لیکچر دے کر آ رہے ہیں ——"

"پوسٹر باقی ہوٹلوں میں لگا دیئے" کلرک نے افسروں کی طرح سوال کیا۔

"ہاں! لوک ووڈ، رائٹ لینڈ، سیسل، تینوں جگہ لگا دیئے گئے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔

"گڈ" لگڈ بگے نے فیاضی جتائی۔

اور ہم چاروں کھانا کھانے کے لئے نہایت رقت کے ساتھ جھک گئے

کھانے کے بعد سنجیدگی سے اس بات پر غور کیا گیا۔ کہ کونے والے بورڈ پر ہم تینوں کے نام کے علاوہ انچ حیدر خرم کا نام بھی آنا چاہیئے۔ لہٰذا طے پایا کہ کل عرفان پینیٹر سے نیا بورڈ بنوایا جائے۔

یہ بھی اچھا ہوا کہ کھانے کے بعد کی سیر کا پروگرام خرم نے خرد برد کر دیا۔
اُس کا کہنا تھا کہ وہ ایک رات کا جاگا ہوا ہے۔ لہٰذا سونا چاہتا ہے۔ اِس لئے
سب "مے رینا" کے کمرہ نمبر آٹھ میں واپس آ گئے۔

تینوں بستروں میں گھس چکے تھے، اور مگرط بگا ریڈیو سے سر جوڑے سائیریا
کے اسٹیشن کو ڈھونڈ رہا تھا ۔

(۵)

صبح بادل اِس طرح چھائے ہوئے تھے کہ دُور دُور تک کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

'مے رینا' کے کمرہ نمبر آٹھ کی کھڑکی سے باہر اور اندر صرف بادل ہی بادل تھے، اندر تو کلرک اور لنگڑا لیگا سوئے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مگر باہر کی سڑک، دکانیں، مکان سب کچھ بادلوں میں گُم ہو چکا تھا۔

آج چوبیس جولائی ہے!

آئینے میں بال بناتے ہوئے مجھے یک دم خیال آیا، اور میں خوشی کی ہلکی سی لہر میں جھوم گیا، یہ میرا جنم دن ہے، آج میں سلطانہ سے برائٹ لینڈ میں ملنے جارہا ہوں، سلطانہ جسے پینٹ کرنے کا شوق ہے۔ جو بیا کی زیادہ

اور عورت کم ہے۔ جسے میں ڈپٹی بنانا چاہتا ہوں۔ مگر حرزو مُلائٹ ریفرمینٹ بنانے کا وعدہ لے گیا ہے۔

اچانک اپنے سر کے دائیں حصے میں کان سے ذرا اوپر مجھے ایک سفید بال نظر آگیا۔

"سفید بال" میں چلایا۔

"کیا ہوا؟" مگر ڈبگا ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

"سفید بال زلفی، میرے سر میں سفید بال" میں خوشی سے ناچتے ہوئے بولا۔

"اسے امیر حمز سے کیا ہوا" کلارک نے منہ سے لحاف اُٹھا کر نیند میں پوچھا۔

"اوئے کلارک! اٹھو سالو، دیکھو میرے سر میں ایک سفید بال" میں نے کلارک کا لحاف کھینچ کر اُسے جھنجھوڑ دیا۔

"او ہو بھی گیا نا تو تیرے! اس میں شور مچانے کی کیا بات ہے" مگر ڈبگے نے ریڈیو پر جھکتے ہوئے کہا۔

"آہ! میں اِس بال کا سالہا سال سے منتظر تھا، ایک سفید بال اب بات بنی ہے۔ اب بہت جلد یہ دو، پھر تین اور پھر ایک لہر سی بن جائے گی، آنکھوں کے گرد یہ باریک جھریاں، سوچتی ہوئی آنکھیں اور کنپٹیوں پر سفید بال ــــ اب ذرا شخصیت رعب دار بنے گی" میں نے خواب آور آواز میں کہا۔

"ابے میرے سر میں تو کتنے ہی سفید بال ہیں مگر ــــ"

"مگر تمہاری شخصیت ہی نہیں بن سکی" میں نے کلرک کی بات کاٹ کر کہا۔

"بھیا احمد علی کلرک، تم میں اور مجھ میں بس ذرا سا فرق ہے۔ تمہارے سر میں سفید بال ہیں نا، مگر تمہاری آنکھوں کے گرد وہ باریک جھریاں نہیں، ویسے تم یہ جھریاں بلیک کافی پی کر اور راتوں کو جاگ جاگ کر پیدا کر سکتے ہو، پر بھیا، وہ آنکھوں میں سوچ ـــــ بس یہاں تمہاری گاڑی ذرا لیٹ ہو جاتی ہے۔ اور یہی وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ہم دونوں یونہی ذرا سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مگر کلرک، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ اب اگر تمہارے ان گھنگھریالے بالوں کے نیچے جو کھوپڑی ہے اور اس کھوپڑی کے اندر جو مشین ہے تم اس سے کام لینا نہیں جانتے، تو اس مشین کو خود چلنا چاہیے۔ اس میں تمہارا قصور ـــــ"

کلرک پھر منہ پر لحاف لے چکا تھا، مگر ڈیگا جالندھر سے بھجن سُن رہا تھا۔ اور میں پھر آئینے پر جھک گیا تھا۔

دس بجے ہم ڈائننگ ہال میں ناشتے کے لئے پہنچ گئے۔

خلافِ معمول چونکہ ہم ناشتے کے لئے جلد پہنچ گئے تھے اس لئے ناشتہ تیار نہ تھا۔ مجھے میرے سب سے بہتر تھری پیس سوٹ میں دیکھ کر ڈیگا کی سراغرساں آنکھیں فوراً کھل گئیں۔ اور وہ کھا جانے والی آواز میں بولا۔

"اوئے! یہ سالے اِس، ایہ آکو دن میں صبح سویرے تھری پیس سوٹ کیا معنی رکھتا ہے؟"

"یونہی! آج میں سارا دن اِس سفید بال کی خوشی میں جشن مناؤں گا، اور پھر آج میرا جنم دن ہے، آج سے میں ستائیس سال کا ہو گیا ہوں، اب میں تم سے صرف دو سال اور کلرک سے صرف چار سال چھوٹا ہوں؛ اور انشاء اللہ یہ فرق بھی جلد پورا کر لوں گا۔" میں نے اُسے شک و شبے سے نکالنے کی انتہائی کوشش کی۔

"تو پیا!" مگر وہ بگا یہ کہہ کر چھری سے میز پر طبلہ بجانے لگا، اور کلرک کی بغل والے دروازے کے "کی ہول" پر جھک گیا، اِس کی ہول پر جھک کر وہ بڑی شاندار "رننگ کمینٹری" کیا کرتا تھا حسبِ عادت وہ بولنے لگا۔

"پھلجھڑی! نے انگڑائی لی، اس کے دونوں ہونٹوں کے درمیان اس وقت اڑھائی انچ کا فاصلہ ہے، بائیں بغل سے ذرا نیچے جو اس کے نیلی قمیض پھٹی ہوئی ہے، اُس میں سے بھورے بال صاف نظر آ رہے ہیں، وہ لو۔۔۔۔۔ ٹباخہ بھی آ گئی۔ سالی نے ساٹن کی سفید ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی ہے۔ اور یہ شلوار یوں نیچے کی طرف جا رہی ہے کہ بس، اب گری کہ اب۔ پھلجھڑی جوتا ڈھونڈنے کے لئے اس وقت پلنگ سے جھکی ہوئی ہے۔ اوہو! واہ واہ، کیا گولائی ہے۔ بلکہ اب تو گولائیاں ہیں، اور اب ۔۔۔ مائی گڈنس! ہوں! ابھی تک جوتا نہیں ملا، ماحول میں روشنی کم ہے، اِدھر اُدھر کے دونوں پلنگ خالی ہیں، ٹباخہ بائیں جانب کی ڈریسنگ ٹیبل پر جھک گئی ہے، اس کی گردن کا پچھلا حصہ اگلے حصے سے بہت پیارا

ہے، وہ گولائیاں پھیل اور سمٹ رہی ہیں اور انداز اً کبھی ساڑھے چار اور کبھی سوا پانچ کے دائرے بنا رہی ہیں۔ لاحول ولا! کم بخت جو تال گیا ہے شاید ٹپا خر آئینے سے ہٹ کر اب قمیض کو اٹھائے شلوار کا آزار بند ـــــ

"آپ کا آملیٹ" بیرے نے کہا، اور کلرک فوراً سیدھا ہو گیا۔

ناشتے پر دن کا پروگرام جب مرتب ہونا شروع ہوا تو میں بالکل خاموش رہا اور جب لگڑ بگے نے دوبارہ مشکوک نگاہوں سے مجھے گھورا، تو میں نے اُن سے معذرت چاہتے ہوئے کہا کہ صرف آج کے دن کے لیئے مجھے چھٹی دیدیں کیونکہ میرا جنم دن ہے۔ کلرک تو فوراً مان گیا۔ مگر لگڑ بگا ذرا دیر کے بعد راضی ہوا۔

" اچھا بھئی! شام کو ملاقات ہوگی" میں یہ کہہ کر ڈائننگ، ہال سے باہر نکل آیا۔

مال روڈ پر پہنچا تو کچھ کچھ مری نظر آرہا تھا، گو آسمان پر بدستور بادل چھائے ہوئے تھے۔

میری گھڑی میں گیارہ بجنے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے اور "مے ربنا" سے 'برائٹ لینڈ' پہنچنے کے لئے صرف دس منٹ درکار تھے، یہ دس منٹ کہاں صرف کیئے جائیں، فوٹو گرافر دوست؟

نہیں!

لن ٹوٹ چلیں؟

اوں ہوں !

ذرا جی پی او تک ہی ٹہل آئیں ؟

کوئی مِل جائے گا۔

ذرا ادھر ہیپڈی پوائنٹ کی طرف ؟

نہیں !

غرض دس منٹ اِسی سوال جواب میں گذر گئے۔ اور میں نے دو میل فی گھنٹے کی رفتار سے رائٹ لینڈ کی طرف چلنا شروع کر دیا، لاک وڈ، ہوٹل تک میں تین منٹ میں پہنچ گیا، ابھی سات منٹ باقی تھے اور راستہ صرف آدھا رہ گیا تھا۔

"آہا! یہ ٹینس لان کتنا خوبصورت ہے" میں نے خود کو اس طرف متوجہ کیا ایک انگریز جوڑا ٹینس کھیل رہا تھا، میں 'لوک وڈ' سے ٹینس لان کی طرف بڑھ گیا ایک تو کھیل دلچسپ تھا اور دوسرے دائیں بائیں بار بار دیکھنے سے آنکھوں کی جو ورزش ہو رہی تھی۔ اُس کا بہت لطف آ رہا تھا، بہر حال گیارہ بہاں بجائے اور پھر ٹہلتے ہوئے بڑے اطمینان کے ساتھ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر میں رائٹ لینڈ کے بڑے دروازے میں داخل ہو کر اترائی اترنے لگا۔

سلطانہ گہرے سُرخ رنگ کی ساڑھی پہنے پورٹیکو میں کھڑی تھی، اُس نے بھی شاید مجھے پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اب وہ ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"ہیلو" میں نے اس کے قریب جا کر کہا۔

"ہیلو" سرگوشی کے انداز میں وہ ہیلو کہہ کر مسکرانے لگی۔

"آپ سات منٹ لیٹ ہیں" اس نے اپنی انگوٹھی میں لگی ہوئی ننھی سی گھڑی پر نظریں جما کر کہا۔

"جی ہاں! اور پانچ سات منٹ لیٹ آنا میں مناسب خیال کرتا ہوں۔ عین وقت پہ تو میرا خیال ہے موت بھی نہیں آتی ہوگی" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں نے کبھی موت کو مدعو نہیں کیا" اس نے شوخی سے جواب دیا۔

"مگر میں اسے اکثر دعوت دیتا رہتا ہوں۔ اس لئے مجھے اس کا صحیح علم ہے" میں نے اعتماد سے کہا۔

"آئیے کمرے میں چلیں" اس نے ہوٹل کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلے آپ"

سلطانہ آگے آگے اور میں پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس کا پندرہ نمبر کمرہ دوسری منزل میں تھا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر اس نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔

اس کا یہ ڈرائنگ روم خوبصورت، آرام دہ اور سلیقے سے سجایا ہوا تھا۔ آتشدان کے اوپر تین نامکمل آئل کلر رکھی تھیں، میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا:-

"یہ آپ بنا رہی ہیں؟"

"جی ہاں" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

اتنے میں بیرہ کافی لے آیا، وہ میرے قریب ہی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ تو خاصا پینٹ کرتی ہیں" میں نے سچائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کتنے سپون ——"

"صرف ایک —— اور میری کافی میں دودھ مت ملائیے گا" میں نے جلدی سے کہا۔

کافی کا پیالہ میری طرف بڑھا کر وہ اپنی نامکمل تصاویر کی طرف دیکھنے لگی۔

کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی اس کے بعد وہ نرمی سے بولی۔

"آپ کے خیال میں کیا میں پینٹ کر سکتی ہوں؟"

"میرے خیال میں ہر شخص پینٹ کر سکتا ہے۔ اور آپ تو خاصا اچھا کام کرتی ہیں" میں نے جواب دیا۔

"مگر مجھے تو پینٹنگ شروع کئے یہ دوسرا مہینہ ہے" اُس نے تعجب سے کہا۔

"اس سے ظاہر ہوا کہ آپ میں یہ خداداد ملکہ ہے"

"شاید!" وہ پھر سوچنے لگ گئی۔ اور کچھ دیر کافی پیتے رہنے کے بعد

وہ اٹھی اور دور کی ایک میز سے سگرٹ کا ٹن اٹھا لائی۔

"شوق کیجیے" اُس نے سگرٹ کا ٹن کھول کر میری طرف بڑھایا

"شکریہ!" میں نے سگرٹ لے کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"آپ کیوں پینٹ کرتی ہیں؟"

"میرا خیال ہے ——" وہ رک گئی اور ٹن میں سے سگرٹ نکال کر اُسے میز پر مارنے لگی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ اس طرح ——" وہ ایک بار پھر سگرٹ سلگانے کے لیے رک گئی، اور مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے کوئی بہت ہی ذاتی قسم کا سوال پوچھ لیا ہے۔ اس لیے اس احساس کو زائل کرنے کے لیے میں نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں نے غلط سوال کیا ہے۔ میں دراصل یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کو پینٹ کر کے کیا محسوس ہوتا ہے؟"

"جی ہاں، میں سمجھ گئی ہوں، میرے خیال میں اس طرح میں اپنے جذبات کا اظہار بخوبی کر سکتی ہوں، اور تصویر بناتے وقت مجھے جو خوشی نصیب ہوتی ہے وہ میں عام زندگی میں کہیں بھی حاصل نہیں کر سکتی ——"

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"جی ہاں" اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا

"آپ کو معلوم ہے کہ یہ گریز کی ایک راہ ہے؟" میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"اور صحت مند ذہن کے لوگ ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔" میں نے بات کو جاری رکھا۔

"شاید! مگر میں نے تو یہ دعوے نہیں کیا کہ میں صحت مند ذہن رکھتی ہوں۔" اُس نے صفائی پیش کی۔

"مگر آپ کو ایسا کرنے کے لئے آخر کس جذبے نے اُکسایا ہے۔" میں نے پھر سوال کیا۔

شاید وقت نے، بے انتہا بہت سے فالتو اور خالی وقت نے، پہاڑ جیسے نہ کٹنے والے دن اور رات نے ــــــ" وہ رُک کر خواب آور آواز میں بولی۔

"آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلے سال آپ کی نمائش پر میں نے آپ سے ایک سوال کیا تھا۔ آپ کی ایک تصویر "عورت کا خواب" کے معنی پوچھے تھے کیونکہ آپ کا یہ جدید آرٹ میری سمجھ سے بالا تر تھا اور اب بھی ہے۔ اور میرے استفسار پر آپ نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا تھا، محترمہ! میں تصاویر بناتا ہوں، سمجھاتا نہیں ــــــ مجھے آپ کی یہ بات بہت بُری لگی تھی۔ اور اس بات کا ردِ عمل یہ ہوا تھا کہ میں نے اُسی روز فیصلہ کر لیا تھا کہ میں بھی تصاویر بناؤں گی، اور پچھلے

سال سے پچھلے ماہ تک، بلکہ اب تک میں اپنے آپ سے اکثر کہا کرتی ہوں۔

"سلطانہ تمہیں پینٹ کرنا چاہیئے۔"

"سلطانہ تم پینٹ کرو گی"

"سلطانہ چلو پینٹ کریں۔"

اور اب میں پینٹ کرتی ہوں، پینٹ کرنے سے پہلے مجھ میں ایک جھجک تھی اور میں اکثر محسوس کیا کرتی تھی، کہ اس کے لیئے مجھے باقاعدہ کسی سکول میں داخل ہونا چاہیئے یا پھر کسی آرٹسٹ سے یہ فن سیکھنا چاہیئے، مگر اب نہ مجھ میں وہ جھجک ہی باقی رہی ہے اور نہ وہ احساس ہی قائم ہے۔"

"خوب!" میں نے سلطانہ کے متعلق سوچتے رہنا ہی مناسب سمجھا اور اُسے مختصر سا جواب دیا۔

"میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر سلطانہ نے مجھے چونکا دیا۔

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"میری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں، میرا شوہر کراچی میں کاروبار کرتا ہے کراچی کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں آتی، اس لئے ڈاکٹر کے مشورے پر میں ہر سال کے چار مہینے مری میں گذارتی ہوں، میرا کوئی بچہ نہیں۔ میری سہیلیاں تمام ہندوستان میں ہیں، پہلے اُن سے خط و کتابت کر کے دل بہلایا کرتی تھی۔ پھر اُکتا گئی تو اپنے شوہر کے ساتھ کلب جانا شروع کیا۔ مگر اکسپورٹ امپورٹ کی تمام

باتیں میرے سر کے اوپر سے گذر جایا کرتی تھیں، اب آپ کے کہنے کے مطابق میں گریز کر رہی ہوں۔ مگر مجھے یہ گریز کی راہ بہت پسند ہے، اس میں دیوار کے پیچھے والی سہیلیوں سے زیادہ حُسن اور اسپورٹ اسپورٹ کی باتوں سے زیادہ چارم ہے"

وہ رُک گئی۔ میں نے نیا سگرٹ سلگا کر آہستہ سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ——"

یک دم تیز بارش شروع ہوگئی، برائٹ لینڈ کی چھت پہ بارش کچھ ایسی آواز پیدا کر رہی تھی کہ میں سلطانہ کی آواز بالکل نہ سُن سکتا تھا۔ میں نے قریباً چیخ کر کہا۔

"میں آپ کی بات نہیں سن سکتا" وہ مسکرا کر میرے ساتھ صوفے پر آ بیٹھی اور نرمی سے بولی۔

"ہاں تو آپ کیوں پینٹ کرتے ہیں؟"

"اس لئے کہ مجھے اور کچھ کرنا نہیں آتا" میں نے جواب دیا۔

"مگر آپ کی پچھلے سال والی نمائش کی ریکٹیلوگ میں تو لکھا تھا کہ آپ کتابیں بھی لکھتے ہیں" اُس نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں، میں تصاویر بنانے کے علاوہ میں کہانیاں لکھ سکتا ہوں" میں نے شرماتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے کہانیاں پڑھنے کا قطعاً شوق نہیں ہے" اُس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اب آپ سے واقفیت ہو گئی ہے اور اگر آپ ملتے رہے تو ہماری دوستی ہو جائے گی۔ اب میں تصاویر بھی نہیں بناؤں گی۔ کیونکہ تصاویر میں تو صرف اس وقت بنانا پسند کرتی ہوں جب کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ مری کتنے عرصہ کے لئے آئے ہیں۔

"ایک ماہ کے لئے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا آپ مجھے روزانہ مل سکتے ہیں؟"

"نہیں"

"کیوں؟"

"کیونکہ نمائش کے سلسلے میں بہت کام ہیں، اور آج میں باقی دو آرٹسٹوں سے بمشکل پیچھا چھڑا کر آیا ہوں، کیونکہ آج میرا جنم دن ہے اور آج میں نے پہلی بار اپنے سر میں ایک سفید بال دیکھا ہے، آج میں بہت خوش ہوں۔"

"اچھا! تو آج آپ سارا دن میرے ساتھ رہیں گے۔ آپ کے جنم دن پر آپ کو کیا تحفہ دیا جائے؟" وہ میرے بہت قریب ہو کر پیار سے بولی۔

"کچھ نہیں، میں اپنے جنم دن پر کبھی تحفے نہیں لیا کرتا۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"مگر میں آپ کو ضرور کچھ دینا چاہتی ہوں۔" وہ ضد کرنے لگی۔

"یہ محض آپ کی ضد ہے۔" میں نے کہا۔

"چلیئے یونہی سہی، آپ اسے ضد سمجھ کر ہی پورا کر دیجئے، مانگئے۔" وہ میرے اور قریب ہو گئی۔

"اچھا! اگر آپ بضد ہیں تو ایک چھ پیسے والا ٹکٹ لے دیجئے۔ میں اپنی محبوبہ کو خط لکھ دوں گا۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"ہرگز نہیں" وہ غصے سے آنکھیں نکال کر بولی۔

"آج کا تازہ اخبار لے دیجئے۔ شاید ہماری نمائش کی کوئی خبر چھپی ہو" میں نے کہا۔

"نہیں کچھ اور"

"ایک گلاس پانی پلا دیجئے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" اُس نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا۔

"اچھا تو ایک مسکراہٹ عنایت کیجئے۔" میں نے پیار سے کہا۔ اور وہ مسکرانے لگ گئی۔ پھر اُس نے میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"یوسف! کوئی ایسی چیز مانگو، جو ہمیشہ تمہارے پاس محفوظ رہے، میری نشانی۔"

"ایسی چیز" میں سوچنے لگ گیا

"ہاں! جو ہر وقت تمہارے پاس، تمہارے ساتھ رہے، جو تم سے نہ کوئی

مانگ سکے نہ چھین سکے۔" سلطانہ بڑی رومانی آواز میں بولی۔

"مانگ لوں؟" میں نے یک دم فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" وہ اشتیاق سے میرے بالکل ساتھ لگ کر بولی۔

"مجھے ایک عدد پیاری سی گالی دے دو سلطانہ" میں بڑے رومانی انداز میں بولا۔

"گالی!" وہ تعجب سے چیخ کر بولی۔

"ہاں! سلطانہ، میں سب کچھ بھول سکتا ہوں، سب کچھ کھو سکتا ہوں، سب کچھ بانٹ اور لٹا سکتا ہوں۔ مگر میں گالی کبھی نہیں بھولتا۔ آج تک مجھے جس قدر دوستوں نے جتنی بھی گالیاں دی ہیں وہ میرے پاس محفوظ ہیں اور وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"یوسف، تم سچ مچ کے مسخرے ہو۔"

"سلطانہ! اب تم نے مجھے پہچانا ہے؟"

"میں تمہارا منہ چوم لوں" سلطانہ نے میرے قریب ہو کر کہا۔

"اور میں تمہارا ــــــ" میرا فقرہ ادھورا رہ گیا اور سلطانہ کے گرم سانس اور لپ سٹک دیر تک میرے ہونٹوں کو جلاتی رہی، گدگداتی رہی، اور سلطانہ صوفے کی پشت پہ سر لگائے آنکھیں بند کئے گہرے گہرے سانس لیتی رہی، وہ شاید شرما رہی تھی۔ کیونکہ پہل اس کی طرف سے ہوئی تھی، مجھے فوراً اس کی اس محبت کا

جواب محبت سے دینا چاہیئے اور یہ سوچتے ہوئے میں نے اپنے کئی روز کے فاقہ زدہ ہونٹوں کو اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ سلطانہ نے اپنی باہیں میری گردن میں ڈال دیں۔ چند لمحوں کے بعد سلطانہ صرف یہ کہہ سکتی، اور میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر جم جاتے۔

آخر کار کچھ دیر کی مسلسل کوشش کے بعد وہ یوسف کہنے میں کامیاب ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے ننھے سے رومال کے ساتھ میرے ہونٹوں سے لپ اسٹک کو صاف کیا۔ اپنے خوبصورت بال درست کئے۔ سیاہ ساٹن کی بلاؤز کو سنوارا۔ اور ساڑھی کے پلو کو درست کرتے ہوئے اس نے انگوٹھی کی ننھی سی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یوسف، ایک بج گیا ہے۔ تم لنچ کس وقت کرتے ہو۔؟"

"جس وقت مل جائے، اور عموماً ایک ڈیڑھ بجے مجھے لنچ مل ہی جاتا ہے، اور جس دن مجھے لنچ نہیں ملتا، اس دن میں لنچ کو ملنے چلا جاتا ہوں۔"
میں ایک ہی سانس میں یہ سب کچھ کہہ گیا۔ سلطانہ نے میرے بال درست کرتے ہوئے کہا۔

"ڈائننگ ہال میں چلیں یا یہیں منگوا لیا جائے۔"

"میرے خیال میں ہمیں ڈائننگ ہال میں چلنا چاہیئے۔" میں نے مشورہ دیا۔
"کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے" سلطانہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"تم ذرا باتھ روم میں جاکر اپنا منہ دھولو ـــــ"

"کیوں! کیا اس طرح کھانا نہیں دیتے یہ ہوٹل والے، شبیر کبھی مُنہ نہیں دھوتے" میں نے سینہ تان کر کہا۔

"مگر پیارے شبیروں کے ہونٹوں پر لپ سٹک کے نشان بھی تو نہیں ہوتے" سلطانہ نے ہینڈ بیگ سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔

"اواواو، میرے خیال میں مجھے نہا لینا چاہیئے" میں نے اچھی طرح چہرے کا جائزہ لے کر کہا، اور غسل خانے میں جاکر فقط منہ دھونے پر ہی اکتفا کی، ڈرائنگ روم میں پہنچا تو سلطانہ میری منتظر کھڑی تھی۔

ڈائننگ ہال میں" مے رینا" کے ڈائننگ ہال کی طرح پردہ داری نہ تھی اس ہوٹل کے غالباً تمام لوگ یہیں آکر کھانا کھاتے تھے۔ مجھے اچانک مے رینا، کا ڈائننگ ہال یاد آگیا۔ وہ تاریکی ڈائننگ ہال جہاں آپ کھا سکتے ہیں، رومانس لڑا سکتے ہیں، "کی ہول" سے آنکھ لگا کر زننگ کنٹری کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو ننگے نہا سکتے ہیں، آپ کو کوئی نہ دیکھے گا، رہا بیرے کا سوال تو وہ آواز دینے سے نہیں آتا، اس کے لئے تو باقاعدہ سمن بھیجنا پڑتا ہے۔

لہٰذا یہاں لنچ کے دوران میں سلطانہ نے ایک دوبار ایک دو خواتین کو وِش کیا اور باقیماندہ وقت میں وہ اور میں محض اشاروں سے ہی گفتگو کرتے رہے

مگر اس ڈائیننگ ہال میں کوئی اتنا عقلمند نہ تھا جس کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

لنچ سے فارغ ہو کر ہم ہوٹل کے بڑے لان میں آگئے۔

بادل چھٹ چکے تھے مشرق کی طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بہت ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، اور اس طرح کی ہلکی ہلکی پھوار میں سگرٹ پینا میں دنیا کی بڑی بڑی نعمتوں میں شمار کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے سگرٹ سلگا یا اور سلطانہ بھی میرے کہنے کے بعد اس پھوار سے لطف اندوز ہونے لگی۔ ورنہ میرا خیال ہے اس سے پہلے اسے اپنی قیمتی ساڑھی کا بہت زیادہ خیال تھا۔

سلطانہ ضد کر رہی تھی کہ شام کی چائے "سیمرز" یا "لن ڈورٹ" میں پی جائے اور میں اس بات کے لئے قطعاً تیار نہ تھا۔ کیونکہ مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ کلرک یا لگڑ دگا ضرور مجھے دیکھ لیں گے۔ اور عشق کی تمام "ٹرانسیکشن" آن کی آن میں نو دو گیارہ بلکہ بارہ ہو جائے گی، آخر کار ایک لمبی گول بحث کے بعد طے پایا کہ شام کی چائے "سسل" میں پی جائے گی ——

اس کے بعد "وائٹ لینڈ" کے کمرہ نمبر پندرہ میں جو میرے اور سلطانہ کے درمیان باتیں ہوئیں ان کا یہاں ذکر نامناسب نہیں۔ مگر خدانخواستہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ میں یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ہم صرف پینٹنگ کی باتیں کرتے رہے۔ آئیل کلر، اور اس کا استعمال کینوس،

ہارڈ بورڈ، سکیچ کیسے کرنا چاہیے۔ تصویر کو کتنی ٹشنگرہ میں ختم کرنا چاہیے۔ سو میرا خیال ہے کہ یہ تمام باتیں دلچسپ نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر میاں مناسب نہیں۔

شام کو پانچ بجے برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے سے جب سلطانہ اور میں باہر نکلے تو آسمان بالکل صاف تھا، صرف مغربی کناروں پر اکا دکا بادل منڈلا رہے تھے۔ سلطانہ نے اودے رنگ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا گہرا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ وہ خوش تھی۔ اور اس کے ہونٹوں پر لگی ہوئی لپ سٹک سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اس کے کانوں میں سرخ رنگ کے آویزے تھے اور آنکھوں میں گلابی سی شوخی تھی۔

"ارے میری چھڑی!" اترائی اترتے ہوئے میرے قدم رک گئے۔ میں اپنی چھڑی سلطانہ کے کمرے میں ہی بھول آیا تھا۔

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" سلطانہ نے تعجب سے کہا۔

"اس کے بغیر میں چل نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔

"آپ میرا ہاتھ تھام لیجئے۔" سلطانہ نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی مجھے عادت نہیں ہے۔" میں نے تکلف سے کام لیا۔

"تو لائیے مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دیجئے۔ کیونکہ مجھے اس کی عادت ہے۔" اس

نے جھک کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

راستے میں مجھے ایک سفید گھوڑا نظر آیا۔ جس کی شکل کچھ کچھ احمد علی کلرک سے ملتی تھی، میں جلدی سے آنکھ بچا کر نکل گیا۔ اور دوسرے موڑ پر میں نے گھوڑے کو دیکھا۔ مگر وہ موڑ مڑ چکا تھا۔

"سی سل" کے لان میں روشنی اور سائے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ اس لیے طے پایا کہ شام کی چائے یہیں پر نوش جان فرمائی جائے۔ اور ہم سفید آرام کرسیوں پہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیرے کو چائے کا آرڈر دے کر سلطانہ نے کہا۔

"اس طرف سے میرے چہرے پہ روشنی پڑتی ہے"

"اور یہ روشنی تمہارے چہرے پہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر میں تمہیں ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکتی۔" اس نے شکایت کی۔

"مگر میں تمہیں ٹھیک طرح دیکھ سکتا ہوں اور تم مجھے دیکھو مت سلطانہ صرف سنو، اور میں تمہیں سنوں گا نہیں صرف دیکھوں گا ــــــ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا یوسف! میں تمہیں تمہاری سالگرہ پہ ایک انگوٹھی تحفہ دینا چاہتی ہوں لوگے۔" اس نے پیار سے کہا۔

"یوسف" مجھے خاموش پاکر وہ زور سے بولی۔

"تم سُن رہے ہو؟"

"نہیں سلطانہ، میں دیکھ رہا ہوں، تمہاری ناک بہت پیاری ہے۔ اور تمہارے ہونٹوں کی تراش مصر کے خوبصورت ترین ہونٹوں کی تراش سے ملتی ہے، مگر تمہارے ہونٹوں کی لپ سٹک کا یہ شیڈ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ تم ذرا ہلکے شیڈ کی لپ سٹک لگایا کرو۔" میں نے بڑے رومانی انداز میں کہا۔ مگر سلطانہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ اپنا چہرہ ایک طرف موڑ کر بیٹھ گئی۔

"تم سُن رہی ہو؟" میں نے کہا۔

"نہیں" اُس نے جواب دیا

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"کیونکہ جب میں بات کر رہی تھی اس وقت تم نہیں سُن رہے تھے" اُس نے روہنی آواز میں کہا۔

"میں نے تمہاری بات سنی تھی سلطانہ، مگر آج ہم نو بجے سے پہلے مال روڈ پر نہیں جائیں گے۔" میں نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" اُس نے تعجب سے کہا۔

"بس ہے ایک بات" میں نے کہا۔

"میں نے بھی تمہاری بات سنی تھی۔ میں کل سے ہلکے شیڈ کی لپ سٹک

لگاؤں گی۔" سلطانہ نے پیار سے جواب دیا۔

بیرہ چائے لے آیا اور کچھ دیر کے لئے ہم چائے پینے میں مشغول ہو گئے جب چائے میں بھی میں نے دودھ نہ ملایا تو سلطانہ نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ آپ دودھ سے اتنے متنفر کیوں ہیں؟"

"ہر وہ خوش ذوق شخص جس نے پیٹ بھر کر ماں کا دودھ پیا ہو۔ اس دودھ کو پسند نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ عجیب باتیں کرتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اس بات کو اگر آپ حرکت کہیں تو زیادہ مناسب ہے۔" میں نے اصلاح کی۔

"اچھا یوسف! میں تمہیں کس نام سے مخاطب کیا کروں، یوسف کہا کروں یا جمال؟" سلطانہ نے سوال کیا۔

"تم مجھے یوسف جمال ہی کہا کرو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"اس میں بڑا تکلف ہے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اجنبی سے بات کر رہے ہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"مگر اس میں بڑا فائدہ ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ یوں ـــــ کہ کبھی تو میں یوسف ہوتا ہوں اور کبھی جمال فرض کیجئے

آپ نے مجھے یوسف کہہ کر پکارا، اور میں اس وقت جمال ہوا، تو؟ یا پھر آپ نے مجھے جمال کہہ کر پکارا اور اس وقت میں یوسف ہوا پھر؟ ہے نا مشکل سی بات، اور پھر جو شخص میرا آدھا نام لیتا ہے نا، اُس سے میں آدھا دل بات کرنے کو چاہتا ہے۔ اور میں بڑی بے دلی سے بات کرتا ہوں۔" میں واقعی سنجیدگی سے یہ سب کچھ کہہ گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم ——" سلطانہ ناراض ہوگئی۔

"ہم تو تمہیں صرف یوسف کہیں گے اور ہمیں سچ پوچھو تو جمال سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور تمہیں پورے دل سے بات کرنا ہوگی۔ ورنہ ہم ناراض ہوجائیں گے۔ اور ہم آدھے ناراض نہیں ہوں گے۔ بالکل پورے کے پورے ناراض ہوجائیں گے اور کبھی تم سے بات تک نہیں کریں گے۔" وہ سچ مچ سنجیدہ ہوگئی۔

"ارے سلطانہ! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"سچ" وہ یک دم بے انتہا خوش ہوگئی۔

"ہاں" میں نے کہا، اور وہ شرارت سے بولی۔

"تم تو واقعی سچ مچ کے اچھے خاصے پیشہ ور مسخرے ہو۔"

"مجھے صرف لفظ پیشہ ور پر اعتراض ہے۔" میں نے صدائے احتجاج بلند کی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے مذاق کرنے کا حق نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

غرض جب "سی سل" کے لان میں درختوں کے سائے لمبے ہو گئے اور ہماری ان ہلکی پھلکی باتوں کا سٹاک کم ہو گیا۔ تو ہم وہاں سے اُٹھے۔ چائے کا بل سلطانہ نے دیا۔ اور ایک لمبی سیر کی غرض سے ہم دور نکل گئے سیر کے دوران میں ایک انگریز کالے رنگ کا السیشن کتا لے کر ہمارے قریب سے گذرا، اور اُس کتے کو دیکھ کر میں اتنا جذباتی ہو گیا کہ میں نے سلطانہ کو کتوں، اُن کی قسموں، اُن کی عادات و حرکات پہ ایک طویل لیکچر پلا دیا، اور چند کتوں کا ذکر میں نے اتنے پیار سے کیا کہ سلطانہ "جے لس" ہو گئی۔ اور وہ کسی حد تک چڑ کر بولی۔

" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اِنسان سے زیادہ کتے کو پیار کرتے ہیں۔"

"ہاں" میں نے اقرار کر لیا۔

"کیوں ؟" اُس نے سوال کیا۔

" اس لیے کہ کتا بھی مجھے اِنسان سے زیادہ چاہتا ہے" میں نے کہا۔

"کیا آپ نے کبھی کتے کی طرح اِنسان سے پیار کیا ہے ؟" اُس نے جل کر سوال کیا۔

"ہاں!"

"کون خوش نصیب تھی وہ ——؟"

"ایک لڑکی، ایک بہت معمولی، خاموش، اداس اور بیمار لڑکی۔"

"پھر؟"

"پھر کیا، اس کو میرے پیار کا قطعاً علم نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہوا ہے، اس لیئے کہ میں نے کتے کی طرح بے زبان محبت کی ہے میں نے دم ہلائی، اس کے آگے پیچھے پھرا، اس کی حفاظت کی، اس کے لیئے بھونکا۔ مگر سب کچھ بے سود اور رائگاں گیا۔"

"پھر! اب وہ کہاں ہے۔"

"اِس زمین پر!"

"بیاہی گئی؟"

"نہیں۔ مگر بیاہی جائے گی۔"

"اور تم؟"

"میں، میں کتا ہوں، کتا کبھی کسی غرض یا مطلب سے پیار نہیں کرتا، وہ بھوکا رہ کر، دھکے کھا کر بھی وہیں رہتا ہے۔ اِس لیئے میں وہیں ہوں اور وہیں رہوں گا۔"

"اب مجھے تم پہ بہت سا پیار آ رہا ہے۔" سلطانہ چلتے چلتے رک گئی۔ اور سٹریٹ لمپ کے نیچے میرے سینے سے لگ گئی۔

پھر اس نے لمپ کی روشنی میں وقت دیکھا۔

"نو بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔" وہ قریباً چلا کر بولی۔

"جلدی چلو ورنہ جوہری کی دکان بند ہو جائے گی۔" وہ مجھے گھسیٹنے لگی۔

مال روڈ پر پہنچ کر میں محتاط ہو گیا، جوہری کی دکان میں سلطانہ انگوٹھیاں پسند کر رہی تھی۔ اور میں دکان میں لگے ہوئے آئینے میں سے باہر والی سڑک کے آدمیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہ انگوٹھی پسند ہے انگلی دکھاؤ۔" سلطانہ نے مجھے چونکا دیا۔ اور انگوٹھی میرے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنا دی۔

"کیسی ہے؟" وہ پیار سے بولی۔

"تمہاری پسند بہت اچھی ہے سلطانہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

بل ادا کر کے سلطانہ دکان سے باہر آ گئی۔ میں اس کے ساتھ اس طرح چل رہا تھا جیسے میں اس کے ساتھ نہیں ہوں۔ اس نے بھی غالباً اسے محسوس کر لیا، مگر میں فوراً اس کا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر چڑھائی چڑھ گیا۔

"برائٹ لینڈ" کے بڑے دروازے پہ رک کر میں نے کہا۔

"اچھا سلطانہ! اب مجھے اجازت دو ورنہ میرے دوست مجھے جان

سے مار دیں گے۔"

"مگر تمہاری چھڑی ــــــ"

"اُسے لینے کے بہانے کل پھر آؤں گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور۔"

"ضرور۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ سلطانہ، آج کے دن کی کمپنی اور اس قدر خوب صورت کمپنی کے لیے شکریہ۔"

اور میں قریباً بھاگتا ہوا "سے رینا" کی طرف چل دیا۔

(۶)

ہماری تصاویر کی نمائش میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔

پچھلے دو تین دن اس قدر مصروفیت میں گذرے تھے کہ میں "سلطانہ"

کے ہاں بالکل نہ جا سکا تھا۔ اور ہم مال روڈ پر چونکہ کم گھومے پھرے تھے۔ اس

لئے سلطانہ سے ویسے بھی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر جب ہم مال روڈ پہنچے۔ تو میں نے کلرک سے

رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"احمد علی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے اس لئے چار بجے چائے

پر ملوں گا۔"

"کہاں جانا ہے تمہیں؟" مگر ڈگے نے اپنی ٹانگ پھنساتے ہوئے کہا۔

"بڑا نا ممکن کام ہے، بتا نہیں سکتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو یہ اتنے سارے کام کون کرے گا؟" لگڑ بگا پھر چیخا۔

"جانے دو لگڑ بگے اسے، کام ہی کون سے اب رہ گئے ہیں ہم کرلیں گے۔" کلارک نے نرمی سے کہا۔

"تھینک یو" کہہ کر میں پنڈی پوائنٹ کی طرف چل دیا۔ تاکہ لگڑ بگے کی سراغرسانی بھٹک سکے۔ اوپر سے ایک لمبا چکر لگا کر جب میں برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے سے اُترا تو یونہی گھڑی پر نظر پڑ گئی۔

گیارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ مجھے ہنسی آ گئی اور یوں محسوس ہوا جیسے گھڑی بھی مونچھوں کو تاؤ دیئے مسکرا رہی ہے۔

پورٹیکو میں آج کسی نے ہاتھ ہلا کر میرا استقبال نہیں کیا۔ برامدے میں داخل ہوا تو سامنے کے ہال سے سلطانہ نکل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ بکلا مسکرا دی، مگر فوراً ہی وہ پیاری سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے غائب ہو گئی اور اس کا پیارا سا چہرہ بے حد سنجیدگی اختیار کر گیا۔ مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے قریباً اس کا راستہ روکتے ہوئے بہت ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اے گل بدن، ماہ لقا، شیریں دہن، خوش ادا! آج تیرے مزاج نازک میں کیا آئی کہ تو نے اپنی نرگسی آنکھوں کے تیر، خمدار اور کمان کی صورت ابروؤں میں تان کر پھر سمیٹ لئے، اور تو جلد ہی پہلے اپنے مسکرانے اور بعد میں

سنجیدہ ہو جانے کا سبب بتلادے۔ ورنہ میں جنگلوں میں نکل جاؤں گا۔ تیرے فراق کا دوگانا گاؤں گا۔ اور پھر کبھی پلٹ کر شہروں کی طرف نہ آؤں گا۔

سلطانہ کی مسکراہٹ فوراً ہونٹوں پہ نمودار ہو گئی۔ جس سے ظاہر ہوا کہ مسکراہٹ کوئی اتنا دور نہ نکل گئی تھی۔ کہ واپسی محال ہو، اور اُس سیم تن نے بڑے انداز سے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"آپ بے حد سنجیدہ مسخرے ہیں، ابھی ابھی دو بیرے آپ کی گفتگو سن کر مسکراتے ہوئے گذرے تھے۔ کم از کم ماحول کا تو خیال رکھا کیجیے۔

"تانی! لفظ سنجیدہ پر مجھے اعتراض ہے اور تم شکر کرو کہ ابھی دو بیرے یہ سُن کر مسکرائے ہیں کہ اگر تم کچھ دیر اور نہ مسکراتی، تو یہ باتیں سارے ہوٹل نے سننی تھیں اور پھر ماحول کا خیال ہم کبھی نہیں کرتے، ہم عشق کرتے ہیں تو صرف اپنے دوستوں سے چھپ کر کیونکہ اُن کے جذبات کا ہمیں احترام ہوتا ہے، مگر دنیا پر تو ہم اتنی برف ڈالتے ہیں کہ ان کے جذبات قلفی بن کر رہ جاتے ہیں، ایسی قلفی جو نہ چاٹی جا سکتی ہے نہ نگلی جا سکتی ہے ـــــ"

میں نے مسکراتے ہوئے بڑے ہلکے پھلکے موڈ میں یہ سب کچھ کہہ دیا، اور سلطانہ تعجب سے بولی۔

"مگر یہ تم نے مجھے "تانی" کیوں کہا ہے؟"

"اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ لفظ تمہارے نام کی رعائت

سے بنا ہے، سلطانہ، طانہ، تانی، اور پھر موسیقی میں ایک چیز تان ہوتی ہے جسے خادم بہت بانکی چیز سمجھتا ہے۔ اور تم بھی چونکہ بانکپن میں کسی سے کم نہیں ہو۔ اِس سے ہم نے تمہیں تان جانا، مگر تان کہتا ہوں تو سالا تان سین خواہ مخواہ ذہن میں طانبورے سلئے وارد ہو جاتا ہے۔ اِس لئے میں نے کمال احتیاط سے اِس تصور کو حکمپادے کر تمہیں تانی کر دیا ہے۔ اور اس تانی لفظ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ تم چاہے پسند کرو یا کیڑے نکالو، یہاں تو بس یوں ہی ہو گا۔" میں نے جھوٹ موٹ کا رعب جمایا۔

"اوہو! اچھا بابا ٹھیک ہے اب یہیں کھڑے رہنے کا پروگرام ہے یا کہیں چلو گے بھی؟" اُس نے غالباً تنگ آکر کہا۔

"کہاں چلیں؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے 'لِن ٹوٹ' میں کافی پی جائے" اُس نے مشورہ دیا۔

"نہیں 'لن ٹوٹ' کے مالک کی مونچھوں پہ مجھے سخت اعتراض ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر ہم اُس سے ملنے یا اس کے ہاں دعوت پہ نہیں جا رہے کافی پینے جا رہے ہیں۔" سلطانہ نے وضاحت کی

"مگر وہ جب تک مونچھیں نہیں منڈائے گا۔ میں وہاں ہرگز نہ جاؤں گا" میں نے ضد کی۔

"تو پھر "سیمنز" میں چلتے ہیں۔" اُس نے بور ہو کر کہا۔

"نہیں"

"وہ کیوں؟"

"اِس لئے کہ اُس ہوٹل میں بیٹھ کر یہ احساس ہوتا ہے۔ جیسے ہم سمندری جہاز میں بیٹھے ہیں۔"

"پھر؟ اس میں کیا حرج ہے؟"

"حرج! ارے تانی میرا جی متلانے لگ جاتا ہے۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر —— میرا تو جی بہت، مال روڈ پر گھومنے کو چاہ رہا ہے۔" بیچاری نے بے حد عاجزی سے کہا، پہلے تو مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر رحم آیا مگر پھر فوراً ہی اپنے دو منکر نکیر ساتھیوں کا خیال آیا اور دل دہل گیا میں نے رحم کے جذبے کو فوراً ہی ڈانٹ ڈپٹ کر چلتا کیا اور پیار سے سلطانہ کو مخاطب کیا۔

"تانی"

"کیا ہے؟"

"دیکھو آج رات کو ہم ضرور مال روڈ پہ چلیں گے۔"

"مگر میرا جی ——"

"یہ جی کی بھی تم نے ایک ہی کہی، ارے بھئی جی کا کیا ہے، اب میرا جی اس وقت قلابازیاں لگانے کو چاہ رہا ہے۔ مگر چونکہ میری قوتِ ارادی مضبوط ہے اِس لئے میں یہ حماقت نہیں کر سکتا۔ تانی یعنی جانی! اپنی قوتِ ارادی کو لگے ہاتھوں مضبوط بنا لو، خدا معلوم کب تم کوئی بہت بڑی حماقت کرتے کرتے بال بال بچ جاؤ۔"

"تمہیں تو صرف باتیں بنانا آتی ہیں۔"

"تانی، اس کے علاوہ میں تصادیر بھی بناتا ہوں۔"

"تو پھر کہاں چلیں؟"

"سسی سل، اس کا لان، اور آرام کرسیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ پرسوں ترسوں میں ایک لڑکی کو لے کر وہاں گیا تھا، ہائے تانی! اس قدر پیاری لگ رہی تھی۔ وہ سسی سل کے اُس لان میں کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ اس لان کا ایک حصہ معلوم ہو رہی تھی جب میں اُسے لے کر اس لان میں سے باہر نکل رہا تھا تو ایک عجیب طرح کا احساسِ جرم مجھے محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک بچہ ہوں اور سب کی نگاہ بچا کر اس باغ کا سب سے پیارا پھول توڑے لئے جا رہا ہوں۔"

"کون تھی وہ؟" سلطانہ نے قریباً چیخ کر کہا۔

"ارے! آہستہ بولو، تانی، تم ناراض کیوں ہو رہی ہو، وہ تو بہت ہی

پیاری، بہت ہی معصوم سی ایک شہزادی ہے "

"مگر وہ ہے کون ؟"

"اگر میں نے بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی ؟"

"میں اُس کی چٹیا نوچ لوں گی"

"پھر تو میں ہرگز نہیں بتاؤں گا، کیونکہ تم مایوس ہو جاؤ گی، اور وہ اِس لئے کہ وہ چٹیا نہیں بناتی "

"میں اُس کے بال نوچ لوں گی "

"سچ "

"ہاں "

"اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ؟"

"میں، میں اُس کی آنکھیں نکال دوں گی " سلطانہ کا سانس پھُول گیا۔

"ارے یہ ظلم مت کرنا۔ کیونکہ ایک تو اس کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں اور دوسرے ان آنکھوں پر میرے بوسوں کے نشان بھی ہیں "

"اُف، مجھے فوراً بتاؤ، وہ کون چڑیل تھی ؟"

"وہ تھی تانی " میں نے اُس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

سلطانہ پہلے تو شرما کر مسکرا دی۔ پھر مجھے ہنستا دیکھ کر اُس نے غصّے سے زمین پر بایاں پاؤں مارا، اور جلدی جلدی وائیں ہاتھ کی سیڑھیاں چڑھ

گئی۔ میں وہیں کھڑا ایک منٹ تک اس کی معصومیت پر قہقہے برساتا رہا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے میں نے بھی کمرہ نمبر پندرہ کا رُخ کیا۔

سلطانہ منہ پھلائے صوفے پر بیٹھی "ہوم اینڈ گارڈن" کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ میں نے بڑے تکلف سے دروازے پر دستک دے کر آواز بدلتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

"نہیں" وہ غصے سے چلائی۔

میں دروازے سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف پلٹا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چلنے لگا، مگر اتنے میں کسی نے پیچھے سے میری کمر کے گرد باہیں ڈال دیں اور نرمی سے کہا۔

"سنگ دل مسخرے تمہیں ستانے میں کیا مزہ آتا ہے؟"

"لفظ سنگ دل پر مجھے اعتراض ہے"

"آؤ اندر چلو ——" اُس نے کندھے سے کھینچ کر مجھے اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا،

"سچ سچ! نہیں چلوگی؟"

"نہیں، میں قوتِ ارادی کو مضبوط تر کرنا چاہتی ہوں۔"

"خدا کے علاوہ ہم بھی تمہاری مدد کریں گے۔"

سلطانہ مجھے کمرے میں بٹھا کر خود باہر چلی گئی۔ میں نے آتشدان کی طرف دیکھا اُس پر رکھے ہوئے تین آئیل کلراب مکمل ہو چکے تھے۔ اور انہیں بڑی احتیاط سے مکمل گیا تھا۔ میں صوفے سے اُٹھ کر آتشدان کے قریب جا کھڑا ہوا، تصاویر پر برش کے نشانات سے ظاہر ہو رہا تھا۔ جیسے اس پر کام کرتے وقت بے انتہا شدید جذبات سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کام لیا گیا ہے اتنے میں سلطانہ آگئی اور میں نے اُسے اپنے قریب کھڑا کر کے کہا۔

"تانی! تم آرٹسٹ ہو، تمہاری یہ تصاویر بہت عمدہ ہیں۔ اور ہم تم سے اس وقت اس درجہ خوش ہیں کہ تم اگر کہو تو تمہارے ساتھ مال روڈ پر بھی جا سکتے ہیں، مگر خدا را ایسا نہ کہنا۔ کیونکہ انسان بے بس اور لاچار ہے۔ موڈ بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

"نہیں میں ایسا نہ کہوں گی، تم بیٹھ جاؤ، بیرہ کافی لا رہا ہے۔" سلطانہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے قریب پڑے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سگرٹ کیس نکال کر میں نے اُس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں! کافی کے بعد:" وہ پیار سے بولی۔ اور میں سگرٹ سلگا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

بیرہ کافی لے آیا۔ اور سلطانہ بڑی ہی معصوم اور گھریلو عورتوں کی طرح ساڑھی کا پلو بار بار سنبھالتی ہوئی کافی بنانے لگی، میں اُسے دیکھ رہا تھا اور

اس کی نگاہیں کافی کے پیالوں پر جمی ہوئی تھیں شکر ملانے کے بعد اس نے دونوں پیالوں میں دودھ ڈالا۔ کریم ملائی اور ایک پیالے میں بہت سی کریم ڈال کر اس نے میری طرف بڑھایا۔ میں نے اسی طرح اس کی طرف دیکھتے ہوئے شکریہ کہہ کر پیالا لے لیا۔ دوسرا پیالہ اس نے لے لیا اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ کر پیار بھرے لہجے میں آہستہ سے بولی۔

"پیو۔"

میں فرمانبردار بچوں کی طرح کافی پینے میں مشغول ہو گیا اور وہ بھی کافی کے پیالے پر جھک گئی، دو چار گھونٹ پینے کے بعد اس نے کہا۔

"کافی پسند آئی"

"بہت اچھی ہے۔"

وہ پھر کافی پینے لگی، تھوڑی دیر میں ہم نے کافی پی کر پیالے میز پر رکھ دئے۔ اور سلطانہ شوخ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لا کر بولی۔

"تم تو بلیک کافی پینے کے عادی ہو۔ پھر یہ تم دودھ اور کریم والی کافی کیسے پی گئے؟"

"اس لئے کہ اسے اس پیار سے بنایا گیا تھا جو صرف ماں کے پاس ہوتا۔ اور ماں جہاں بھی ہو قابل احترام ہے، چاہے ماں یا باپ میں بہن یا بھائی میں، دوست یا محبوب میں ہو، اس کا اور اس کے جذبات کا احترام لازم

ہے۔" میں نے نہایت سنجیدگی اور نرمی سے کہا۔

سلطانہ سگرٹ سلگانے کے بعد خاموشی سے اُسے پی رہی تھی۔ میں بھی کسی سوچ میں گم تھا کہ اُس نے سوال کر کے مجھے چونکا سا دیا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"کر لوں۔"

"ہاں"

"کس سے؟"

"کسی بھی ایسی لڑکی سے جو تمہیں پسند ہو۔"

"مگر جن لڑکیوں کو میں پسند کرتا ہوں وہ کسی اور کو پسند کر چکی ہوتی ہیں۔"

"اور وہ جسے تم نے گُپتے کی طرح چاہا تھا۔"

"اُس کا تصوّر اور احترام مالک کے تصوّر اور احترام کی طرح میرے سینے میں محفوظ ہے۔"

"آخر کب تک؟"

"جب تک میں زندہ ہوں۔"

"اگر وہ پہلے مر گئی؟"

"تو میں روز اپنی دم سے اُس کی قبر پہ جھاڑو دیا کروں گا۔"

"کیا تمہیں ویسی اور کوئی لڑکی نہیں مل سکتی؟"

"مل سکتی ہے۔"

"پھر؟"

"مگر ملتی نہیں۔"

"اس وقت تمہارا چہرہ کتنا بدل گیا ہے۔"

"میرا چہرہ میرے موڈ کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ کیونکہ میں ایکٹنگ نہیں جانتا۔"

"یوں معلوم ہوتا ہے تم ابھی رو دو گے۔"

"شاید میں رو دیتا۔ مگر تمہاری موجودگی سے میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔"

"کیوں؟"

"اس لیئے کہ جہاں مرد اور عورت تنہائی میں اکٹھے بیٹھے ہوں وہاں عورت ہی آنسو بہاتی ہوئی اچھی لگتی ہے۔"

"تم اس وقت قہقہہ لگا سکتے ہو؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لیئے کہ فرمائشی قہقہوں اور فرمائشی فلمی ریکارڈوں سے مجھے سخت نفرت ہے۔"

"میں تمہیں محض ایک مسخرہ سمجھتی تھی۔"

"لفظ محض پر مجھے سخت اعتراض ہے۔"

"تم جانتے ہو کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں؟"

"ہاں۔"

"اس کا علم تمہیں کب ہوا؟"

"جب تم میری کافی میں دودھ اور کریم ملا رہی تھیں۔"

"مگر باتوں سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا؟"

"نہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"تانی پیار باتوں سے نہیں حرکات سے ظاہر ہوتا ہے۔"

"ہوں۔"

"تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں تمہاری حرکات یاد کر رہی ہوں۔"

"ہاہاہا۔ ہاہا۔"

"تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"تمہاری اس حرکت پر۔"

"مجھے معلوم ہے تم مجھے پیار نہیں کرتے۔"

"وہ کیسے؟"

"تمہاری حرکات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"اچھا"

"ہاں بتاؤ کیا تم ——"

"ہاں کرتا ہوتا، مگر میرا پیار تمہارے پیار سے مختلف ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ میں خود تم سے مختلف ہوں۔"

"مگر یہ اختلاف کب تک رہے گا؟"

"جب تک میں مری میں رہوں گا۔"

"پھر؟"

"پھر میں تمہیں بہت یاد کیا کروں گا۔"

"کیوں؟"

"دوست بچھڑ کر بہت عزیز ہو جایا کرتے ہیں۔"

"تمہیں خط لکھنے کی عادت ہے؟"

"نہیں، خط کا جواب ضرور دیتا ہوں۔"

"تم کس معاملے میں پہل کرتے ہو؟"

"مردوں کے ساتھ ہر معاملے میں، مگر عورتوں کے ساتھ لیڈیز فسٹ۔"

"میں نے جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تو ڈر گئی تھی۔

"اور اب ؟"

"اب بھی مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں ؟"

"پتہ نہیں، تمہاری صورت دیکھ کر مجھے اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ بس تم ابھی لڑنے لگو گے۔"

"سچ۔"

"ہاں، یہ تو اس سال تم سے مل کر مجھے پتہ چلا کہ تم مسکراتے بھی ہو۔"

مسکراتے ہوئے سلطانہ نے سر صوفے کی پشت پر گرا دیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر کے لئے ماحول میں خاموشی چھا گئی۔ میں نے سگرٹ سلگا کر اس کے دو تین گہرے کش لگائے اور ایک بار پھر سلطانہ کی تصاویر کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو ؟"

"ہے ایک بات۔"

"ہمیں بھی بتاؤ۔"

"تم ہنسنے لگو گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"تانی، میں ابھی ابھی سوچ رہا تھا کہ تمہارے نام کی رعایت سے میں اپنا

نام بھی بدل لوں۔ میرا مطلب ہے ایسا نام جس سے تم مجھے مخاطب کر سکو، مگر وہ بہت عجیب سا نام ہے۔"

"بتاؤ تو۔"

"دیکھو نا تانی! مثلاً لیلےٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، مرزا صاحباں، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، رومیو جولیٹ، یہ سب نام اکٹھے کتنے اچھے اور بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہمارا نام اگر اکٹھا کیا جائے تو یا تو یوسف تانی بنتا ہے یا تانی یوسف۔"

"پھر؟"

"اسے کوئی اچھی شکل دینی چاہیئے۔"

"مثلاً"

"مثلاً یہ کہ تم مجھے کھینچا کہا کرو۔"

"کھینچا، یہ تو بہت عجیب سا نام ہے۔"

"ہاں، یہ اکیلا تو بہت ہی عجب لگتا ہے۔ مگر اسے ذرا تانی سے ملاؤ۔ پھر دیکھو کیا لطف آئے گا۔"

"کھینچا تانی۔"

"واہ واہ ــــ دیکھا اب بات بنی ہے۔"

"تم ہمیشہ میرا اور میری محبت کا مذاق اڑاتے ہو۔" تانی رُوٹھ گئی۔

اب جو میں نے اُسے منانے کی کوشش کی تو وہ سچ مچ ہی ناراض ہو گئی ایک طویل بحث مباحثے کی کھینچا تانی کے بعد اُس شیریں دہن کے ہونٹوں پر ایک نیم مردہ سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔

"ایک بج گیا ہے، چلو لنچ کے لئے چلیں" سلطانہ نے روکھے پن سے کہا۔

"نہیں ہم اپنے ہوٹل میں جا کر لنچ کریں گے۔ کیونکہ آپ سے زیادہ بیرہ ہمارے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے" میں نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کون سا ڈنڈا دے مارا ہے" وہ پھر سنجیدہ ہونے کیلئے پر تولنے لگی۔

"دیکھو میری پیاری، اور بہت پیاری بلکہ بے حد پیاری تانی، دھونس سے تو ہم مار بھی نہیں کھاتے، تم پیار سے کہو اور چاہے زہر کھلا دو" میں نے پیار سے کہا۔

"تو آؤ تانی کے ننھے مُنے مسخرے محبوب لنچ کرنے چلیں۔ سلطانہ تیکھے پن سے بولی۔

"لفظ ننھے مُنے پر ہمیں پھر اعتراض ہے۔ اور دوسرے ہم لنچ ڈائننگ ہال میں جا کر نہیں کھائیں گے بلکہ یہیں کھانا پسند کریں گے، کیونکہ ہم نہیں چاہتے ساتھ کی میزوں پر کھانے کا انتظار کرنے والے حضرات اور خواتین ہمارے

لقمے گنے۔ کیونکہ ہم مشہور و معروف آرٹسٹ ہیں۔ اگر اخبار کے کسی نمائندے نے ہمارے لقموں کا شمار کر کے اخبار میں چھپوا دیا تو غضب ہو جائے گا۔ اور ہر شخص اتنے لقمے کھا کر خواہ مخواہ آرٹسٹ بننے کی کوشش ناکام اور سعی لا حاصل کرے گا۔ اور پھر جب وہ آرٹسٹ نہ بن پائے گا تو اپنے کئے پر پچھتائے گا۔ کبھی اخبار والوں کو اور کبھی ہمیں ان گنت سنائے گا، اس لئے اے ریشم و کمخواب میں پلنے والی نازک دوشیزہ تو ہماری ذاتی باتوں اور عادات کو زیادہ سے زیادہ اپنے تک ہی رہنے دے اور ہمیں برائٹ لینڈ کے ننگے ڈائننگ ہال میں کھانے کے لیے مجبور نہ کر، کیونکہ اس طرح ہمیں اپنی رسوائی کا اندیشہ ہے۔ گو رسوا ہونا آرٹسٹ کا پیشہ ہے۔"

"اللہ تیرا شکر ہے کہ تم نے یہ بات ختم کر دی۔ ورنہ میں نے سمجھا تھا کہ اب شام کی چائے پر ہی یہ بات ختم ہو سکے گی۔ مگر تمہاری خیاضی کی داد دیتی ہوں کہ تم سویٹ ڈش تک پہنچ کر رُک گئے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"قدر افزائی کا شکریہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

سلطانہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور میں سگرٹ سلگا کر منکر نکیر دوستوں کے متعلق سوچنے لگا۔ جو غالباً اس وقت "مے رینا" کے پیارے سے پر وہ دار ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوں گے۔ کلرک اکی سہل پر جھکا کمنٹری کر رہا ہو گا اور ملگڈ بگا اپنی تھالی میں ٹماٹر، کھیرہ، پیاز، مرچیں اور سلاد جوڑ جوڑ کر کوئی تصور

بنانے کی کوشش میں لگا ہوگا۔ اتنے میں سلطانہ آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا اور ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ، وہ میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور خط کو کھول کر حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ادریس صاحب دو ہفتے کے لئے ولایت جا رہے ہیں، بزنس کے لئے"۔

"یہ ادریس صاحب کون ہیں؟"

"میرا شوہر ہے"۔ تانی کے لہجے میں طنز تھا۔

میں نے خاموش رہنے میں دانائی محسوس کرتے ہوئے سگرٹ کا ایک گہرا کش لگایا اور دھواں اس کے چہرے پر بکھیر دیا۔ سلطانہ کے چہرے سے غصہ اور حقارت کے اثرات قدرے کم ہوئے اور وہ دبی زبان میں بولی۔

"اس ملک کے شوہر اپنی بیوی کو بے وقوفی کی حد تک معصوم سمجھتے ہیں! ادریس کہاں جا رہا ہے میں سمجھتی ہوں"۔

میں بالکل خاموش اور لاتعلق بنا سگرٹ پی رہا تھا۔ اب سلطانہ میری بجائے اپنے شوہر سے مخاطب تھی۔

"میں تمہیں اور تمہارے بزنس کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اور تمہارے اس بزنس کے ٹرپ میں جولیا بھی تمہارے ساتھ ہوگی"۔

اتنے میں بیرہ لنچ لے آیا۔ بڑی میز پر میں اور سلطانہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کمرے میں وقتی طور پر بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ صرف پلیٹوں اور چھری کانٹوں

کی آواز کبھی کبھی اس خاموشی کو توڑ رہی تھی۔ لنچ ہم نے کچھ اس انداز میں کیا جیسے کسی موت پہ مدعو ہیں۔ میں حیران تھا۔ اس قدر جدید طرز کی پڑھی لکھی لڑکی ہوتے ہوئے وہ اپنے شوہر کی اس معمولی فلرٹیشن پر اتنی غمزدہ کیوں تھی۔ کیونکہ لنچ پر اس کی صورت دیکھ کر یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی چکن روسٹ، پر آنسو گریں گے۔ اور پھر سلطانہ اپنے پرس میں سے ہینکی لینے کے لئے میز سے اُٹھے گی۔ اور ہینکی میں ناک صاف کر کے منہ دھونے کے لئے دیر تک غسلخانے میں جائے گی۔ اور آئینے کے سامنے کھڑی اپنا چہرہ درست کرتی رہے گی۔

مگر سلطانہ نے نہ تو آنسو ہی بہائے اور نہ ہی میز کو چھوڑا۔

لنچ کے بعد کافی پر وہ بے تحاشا قہقہے لگاتی رہی اور چین سموکنگ کرتی رہی، مگر اس کے قہقہوں کے پیچھے چھپے ہوئے آنسو میری تیسری آنکھ صاف دیکھ رہی تھی۔ ایسے نازک موقعوں پہ میری باہر کی دونوں آنکھیں اکثر بند ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اندر کی تیسری آنکھ خود بخود کھل جاتی ہے، میری یہی تیسری آنکھ اب سلطانہ کو ذرا وضاحت سے دیکھ رہی تھی۔ اس خوشنما رنگ اور ملائم ریشم کے پیچھے ایک بے رنگ اور گھر کی دُھلی ہوئی چھینٹ کی کھلی‌دار قمیض، لٹھے کی سفید شلوار اور سُرخ رنگ کا دوپٹہ، ایک معصوم صحت مند اور کھلا ہوا چہرہ، ننگے پاؤں، گھر کے کام کاج کرنے والی لڑکی، غسلخانے

اور باورچی خانے کے درمیان چکر لگانے والی، دیسی صابن سے کپڑے دھونے والی لڑکی "برٹش کوک کلینرز" کی ڈرائی کلین کی ہوئی ساڑھی پہنے برائٹ لینڈ کے پندرہ نمبر کمرے کے آرام دہ صوفے پر بیٹھی کتنی غمزدہ نظر آ رہی تھی۔

"اچھا تانی! میں اب چلتا ہوں۔" میں نے اندر کی آنکھ بند کر کے باہر کی آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم نہیں جا سکتے۔" وہ اُسی ہلکے پھلکے موڈ میں مسکراتی ہوئی بولی۔

"جی تو قطعاً نہیں چاہتا تانی، مگر رات کو نو بجے مجھے چونکہ پھر آنا ہے۔ اِس لئے اگر اب نہ گیا تو میرے دوست پھر مجھے نہ آنے دیں گے" میں نے معذرت پیش کی۔

"تمہیں اپنے دوستوں کا اتنا خیال ہے؟" اس کے لہجے میں پھر طنز آ گیا۔

"اُن دوستوں سے زیادہ مجھے تمہارا خیال ہے۔" میں نے پیار سے کہا۔ میں نے اُٹھ کر کونے سے چھڑی اٹھائی اور اُس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر اُس نے جلدی سے اُٹھ کر میرا راستہ روک لیا۔ میری گردن میں بازو ڈال کر مجھے نیچے جھکا لیا اور گرمجوشی سے

میرا منہ چوم کر اُس نے میری چھڑی چھین لی ــــــ

"ارے بھئی اس کے بغیر ــــــ"

"اب تمہیں نہیں مجھے اس کی ضرورت ہے ــــــ" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ نو بجے تک ــــــ وہ مسکرا کر ہاتھ ہلانے لگی۔"

(۷)

"برائٹ لینڈ" کے برامدے میں جب میں نے قدم رکھا تو تیز بارش ہونے لگی۔

ہال میں تصاویر لگاتے وقت مجھے رین کوٹ کا خیال بھی آیا مگر "برائٹ لینڈ" آتے وقت جلدی میں قطعاً ذہن سے اتر گیا۔ میں پندرہ نمبر کمرے میں پہنچا تو سلطانہ بڑے صوفے پر آنکھیں بند کئے لیٹی ریڈیو سن رہی تھی ——

آئے میرے سجنا، پھر گئے انگنا
میں ابھاگن رہی سوئے ری
پھاروں گی، چیر کر دل کی گل کنتھا
رہوں کی بیراگن ہوئے ری

،چوریاں پھوروں مانگ بکھیر دوں
کجرا میں ڈاروں دھوئے ری
نس باسر موہے برہا ستائے
کل نہ پرت پل موئے ری
ہیرا کے پربھو ہری اناسی
بل بچھڑو مت کوئے ری

میں جانیو ناہیں، پھر بھوملن کیسے ہوئے ری
آئے میرے سجنا، پھر گئے انگنا
میں ابھاگن رہی سوئے ری

یہ میرا بائی کا بھجن تھا۔ جو دہلی سے کوئی نئی گھریلو سی آواز میں گا رہی تھی۔ بھجن کے دوران میں دستک دے کر میں اپنا اور سلطانہ کا مزہ کرکرا نہ کرنا چاہتا تھا۔ بھجن ختم ہوا تو میں نے دروازے پر دستک دی، اور سلطانہ نے چونک کر گھبراہٹ میں کہا۔

"یوسف۔"

"کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں ——— تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، میں جتنا تمہارے قریب ہونا چاہتی ہوں تم اتنا ہی فورمل ہوتے جا رہے ہو۔ کیا بات ہے؟"

سلطانہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے تانی، یہ محض تمہارا خیال ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"شاید" وہ بڑبڑائی اور پھر مسکرا کر میرے قریب آ کر بولی۔

"آئے میرے سجنا، پھر سے نہیں آنگنا" اور میں سو بھی نہیں رہی۔ یوسف تمہارے آنے سے پہلے دہلی سے ایک بڑا پیارا بھجن ہوا ہے۔"

"میں نے وہ بھجن قریباً سارا سنا ہے۔"

"تم اتنی دیر سے باہر کھڑے تھے۔؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم پرسکون انداز میں پیارا سا بھجن سن رہی تھیں۔ اس وقت تمہیں چونکانا محض بدذوقی تھی۔"

"تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو؟

"تمہارے علاوہ میں بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس لئے ———" میں سلطانہ کے ساتھ اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم نے ڈنر کر لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، اور تم نے؟" سلطانہ نے کہا۔

"نہیں ــــ میرا پروگرام کچھ اور ہے"

"کیا؟"

"تم فلم دیکھنے نہیں چلوگی؟"

"اگر وہ تمہارے پروگرام میں ہے تو ــــ"

"فلم تو پروگرام میں نہیں ہے"

"پھر؟"

"میں وسکی پینے کے موڈ میں ہوں"

"سچ!" اُس نے خوشی سے تالی بجاکر کہا اور میں نے پوچھا۔

"تم بھی شوق کروگی؟"

"ضرور"

پروگرام بنتے ہی ہم لوگ، ہلکی ہلکی پھوار میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دس بس، ہوٹل میں جاکر بار روم ڈھونڈتے رہے۔ مگر جب چاروں طرف کوئی بار نظر نہ آیا تو مال روڈ پر جا پہنچے۔ وسکی کی بوتل سلطانہ نے خریدی اور سگرٹ کا ٹن بھی سلطانہ نے ہی لیا۔ کیونکہ میرے پاس تو سگرٹ کی ایک ڈبی تک خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے، برائٹ لینڈ کے کمرہ نمبر پندرہ تک ہم جھومتے ہوئے پہنچے۔

وسکی کا پہلا جام سلطانہ کی فرمائش پر اُس کے شوہر کا جامِ صحت بنا

دوسرا پیگ ہماری دوستی کا جام صحت تھا۔ اور تیسرا جام میز پر پڑا تھا اور ہم دونوں سگرٹ کے گہرے دھوئیں کے اردگرد خاموش بیٹھے جانے کیا سوچ رہے تھے۔

"تم جانتے ہو میں نے شراب کب پینا شروع کی؟" سلطانہ نے مسکرا کر سوال کیا۔

"نہیں۔"

ایک سال پہلے، اور اس ایک سال میں میں نے اتنی شراب پی ہے جتنی شاید جولیا نے چار سال میں پی ہوگی، اور تم شاید یہ بھی نہیں جانتے یہ جولیا کون ہے؟"

"نہیں۔"

"یہ میرے شوہر کی کیپ ہے۔ ایک نہایت سیکسی فلرٹ اور سانولی سی خوبصورت اینگلو انڈین لڑکی، جو مسکرا کر ادھار مانگتی ہے اور آنسو بہا کر "اینگیج منٹ رِنگ" کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس سے میرے شوہر کی ملاقات دفتر میں ہی ہوئی تھی۔ جولیا ٹیلیفون کرنے وہاں آئی تھی۔ مگر ادریس صاحب کو اس کی بے چارگی پہ اس درجہ رحم آیا کہ انہوں نے اس کے گھر پہ ہی ٹیلیفون لگوا دیا۔ اور پھر ٹیلیفون کا یہ تار اُن کے دل کے تار سے مل گیا۔"

سلطانہ خاموش ہوگئی اس کے لہجے میں زہر اور آنکھوں میں نفرت بھری

تھی، گلاس اٹھا کر اس نے حلق میں انڈیل لیا اور سگریٹ کاٹن اٹھا کر اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں یوں مضبوطی سے اس پر جما دیں۔ جیسے وہ تھری کیسل" کاٹن نہیں بلکہ اس کے شوہر ادریس کی گردن ہے۔ کچھ دیر وہ اسی تکلیف دہ حالت میں رہی، جب میں وسکی کا چوتھا جام بنا رہا تھا تو اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"ادریس میرا چچازاد بھائی تھا، سنا ہے میری پرورش ان کے والدین نے کی تھی۔ میں اس وقت بارہ سال کی تھی۔ جب ایک حادثے کی وجہ سے میرے والدین مارے گئے اور مجھے میرے چچا اپنے ہاں لے گئے' اس سے پہلے میں اسلامیہ سکول میں پڑھنے والی لڑکی تھی۔ مگر سنا ہے اور کچھ کچھ مجھے بھی یاد ہے کہ چچا نے میری تعلیم کا انتظام گھر پر ہی کر دیا۔ اور جب میں کونونٹ میں جانے کے قابل ہو گئی تو مجھے وہاں داخل کروا دیا گیا، ادریس نے پہلا محبت نامہ جب مجھے لکھا اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی، اور میں شیکسپئر شیلے اور کیٹس پڑھا کرتی تھی۔ میں صرف سردیوں کی چھٹیوں میں گھر جایا کرتی تھی اور ان چھٹیوں میں ادریس مجھے خوش رکھنے کے لئے کیا کیا پروگرام نہ بنائے رکھتا تھا۔ وہ ایک لمحہ، ایک پل مجھ سے جدا ہونا پسند نہ کرتا تھا۔ اس محبت کا علم اس کے والد کو بھی تھا۔

سینئر کیمبرج کرنے کے بعد میرا نکاح ادریس سے ہو گیا اور ادریس اس حسن

یوں خوش تھا جیسے اُسے دونوں جہان کا خزانہ مل گیا ہو۔ اس کے تمام خطوط اور وہ محبت بھرے فقرے مجھے اب تک یاد ہیں اور شاید موت تک یاد رہیں، میری زندگی میں پہلا اور آخری شخص وہی تھا۔ جس سے میں نے محبت کی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر زندہ رہتا تھا اور میں صرف اس کی محبت کے تصور سے زندہ تھی۔

اور لیس نے جب ایم اے کر لیا تو ہماری شادی ہو گئی۔

آج ہماری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں" وہ رُک گئی اور قہقہہ لگا کر بولی۔

"شاید یہ میرا چوتھا جام ہے" اور گلاس اٹھا کر وہ ہولے ہولے سپ کرنے لگی۔ پھر اُس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میں کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ شراب اس قدر حسین ہوتی ہے بگرٹ اور شراب سے متعارف مجھے جولیا نے ہی کرایا ہے، کلب میں بھی اُس کی تلاش میں ہی پہنچی تھی۔ شادی کے بعد یہ چار سال لمحہ لمحہ پل پل اور دن گن کے گذرتے گئے۔ اور ہر لمحہ ہر پل اور لیس کی محبت کم ہونے لگی، آخر میں تو میرا خیال ہے وہ مجھ سے محض ہمدردی کے جذبے کے تحت ملا کرتا۔ وہ مجھ سے مسکرا کر یوں بات کیا کرتا جیسے مجھ پر احسان کر رہا ہو۔

جولیا سے مل کر اس کے سینے میں ہمدردی کا وہ جذبہ بھی مر گیا جو میرا

آخری سہارا تھا، پہلے میں نے اسلامیہ سکول کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نماز روزہ اور قرآن کی طرف توجہ دی جب کچھ اثر نہ ہوا تو کونونٹ کی تعلیم کے زیرِ تحت کلب میں جانا شروع کیا اور کلب میں ادریس میرے ساتھ وہی برتاؤ کرتا تھا۔ جو کہ عام شوہر عام بیوی سے کرتا ہے۔

آپ کے یہ کلب بھی خوب ہیں۔ یہاں کے لوگ دوسرے کے بیوی کو اپنی بیوی کی طرح چاہتے ہیں اور اپنی بیوی سے یوں شرماتے اور تکلف سے بات کرتے ہیں جیسے وہ ان کے دوست کی بیوی ہو۔

میں آپ کو بور تو نہیں کر رہی ؟

" بالکل نہیں پیری تانی، تمہاری باتیں میرا دل سُن رہا ہے "

"دل ! ہا ہا، اِس سے بہت خوب صورت، محبت بھرے فقرے ادریس مجھے کہا کرتا تھا" سلطانہ کے لہجے میں طنز تھا۔

" وہی فقرے صرف نام بدل کر اُس نے جولیا سے کہے ہوں گے اور جولیا کے بعد جو آئے گی اُسے بھی وہ یہی فقرے کہے گا۔ مگر ان فقروں کا جو فریب سلطانہ نے کھایا ہے وہ جولیا نہیں کھا سکتی، ان فقروں کی قیمت جو میں نے ادا کی ہے اور کوئی نہیں کر سکتا ——

تم جانتے ہو کہ میری صحت بالکل ٹھیک ہے، مری کی آب و ہوا میری صحت کے لئے صرف اِس لئے اچھی ہے کہ یہاں جولیا اور ادریس نہیں ہیں، اور ڈاکٹر

نے میری نبض دیکھ کر نہیں سو روپے کا نوٹ دیکھ کر میرے شوہر کو یہ مشورہ لکھ بھیجا تھا کہ مجھے ہر سال میں گرمیوں کے چار ماہ کے لئے مری کی آب وہوا کی ضرورت ہے۔

کلب میں ایک شخص نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں ادریس سے طلاق لے لوں۔

کلب میں ایک سہیلی نے مجھے کہا تھا۔ کہ میں فلم کمپنی جوائن کر لوں۔

ریڈیو کے ایک شخص نے مجھے کہا تھا کہ میری آواز بہت اچھی ہے۔

اور بنگال کے ایک ڈانسر نے کہا تھا کہ میرا جسم رقص کے لئے بہت موزوں ہے۔

طلاق کے بارے میں ایک دفعہ میں نے سنجیدگی سے غور کیا تھا۔ مگر طلاق لے کر میں اپنے آپ سے تو انتقام لے سکتی ہوں ادریس سے انتقام نہیں لے سکتی

فلم کمپنی سے مجھے نفرت ہے اور یہ نفرت اخبارات میں وہ اشتہار پڑھ پڑھ کر مجھے ہوئی ہے۔

نرگس کہتی ہے "میں لکس صابن استعمال کرتی ہوں۔"

مینا کماری، مدھو بالا اور جانے کون کون سب لکس صابن استعمال کرتی ہیں کیونکہ اس سے جلد ملائم ہوتی ہے۔

فلمی ستاروں کی پسند،

میں لکس صابن استعمال نہیں کرتی ہیں آپ کی فلم سٹارز سے زیادہ خوبصورت ہوں۔

اشوک کمار برل کریم استعمال کرتا ہے۔

آپ برل کریم استعمال نہیں کرتے آپ کے بال اشوک کمار کے بالوں سے یقیناً صحت مند ہوں گے۔

جس دن ریڈیو والے حضرت میری آواز پسند کر رہے تھے۔ اس دن مجھے زکام تھا۔ آواز کے متعلق ان کی رائے سے میں بخوبی واقف ہوں۔

اور بنگال کے اُس ڈانسر کو میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ کیونکہ جب اُس نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا اور میرے جسم کی تعریف کی تھی۔ اس وقت وہ ادریس صاحب کی ایک دعوت میں مہمان کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کو میری کون سی چیز پسند ہے؟

"مجھے"، میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں آپ کو۔۔۔ کیونکہ گھر سے کلب جاکر مجھے احساس ہوا تھا کہ اب میں باورچی خانے کی زینت نہیں رہی شو کیس کی فارسیل چیز بن گئی ہوں۔ اتنے لوگوں نے میری بہت سی چیزیں پسند کی ہیں، کوئی تو آپ کو بھی پسند ہو گی۔

بتائیے نا؟

"سلطانہ تم شاید طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو" میں نے سگرٹ سلگا کر ایک گہرا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہماری دوستی میں پہل دراصل تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ اور تم جانتی بھی ہو کہ عورتوں کے معاملہ میں میں "لیڈیز فرسٹ" کا قائل ہوں۔ اس لئے میں نے آج تک تمہیں کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا، لیکن تمہیں میری کوئی چیز اچھی لگی ہو گی کیونکہ تم نے مجھ میں دلچسپی لی ہے۔ اور اب جب میں تم میں دلچسپی لے رہا ہوں تم مجھ سے طنزیہ انداز میں بات کر رہی ہو۔"

"دیکھو یوسف! اس وقت ہم شراب پی رہے ہیں، جذباتی ہو جاؤ گے تو میں تمہیں کم ظرف سمجھنے لگوں گی۔"

"سنو تانی! مجھے یہ قطعاً کبھی خیال نہیں آیا کہ دوسرا میرے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔ تم مجھے کم ظرف سمجھو یا اعلیٰ ظرف، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں جذباتی آدمی ہوں، شراب پی کر جذباتی ہونے والا آدمی نہیں ہوں، اور تم مجھے اس طرح مخاطب مت کرو جیسے تم اپنے کلب کے ملنے والوں کو مخاطب کرتی تھیں۔ کیونکہ میں اُن میں سے نہیں ہوں۔ میرا نام یوسف جمالی ہے۔ اور میں نے زندگی میں آج تک کوئی ایسا کام نہیں کیا، جس کے لئے میرا نام یا میری شخصیت شرمندہ ہو۔ میں کبھی اُلّو کے پٹھے کو جناب یا مائی ڈیر کہہ کر وقتی طور پر خوش نہیں کر سکتا۔ میں وقتی خوشی پر ہمیشہ دائمی غم کو ترجیح دیتا ہوں۔

تمہاری روداد غم میں نے وسکی کے نشے میں نہیں انسانیت کے جذبے سے سرشار ہو کر سنی ہے اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس داستان

میں کوئی ایسی بات کم از کم مجھے دکھائی نہیں دی کہ میں تم سے ہمدردی کر سکوں۔ کم از کم تمہارے جیسی عورتوں کی تعداد ہمارے ملک اور ماحول میں اچھی خاصی ہے اور اس طرح کی بہت سی کہانیاں میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔ تم اب اگر اپنے شوہر سے اپنی محبت کا انتقام اس طرح لینا چاہتی ہو کہ غیر لوگوں سے فلرٹ کرنے لگو تو معاف کرنا یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر عورت ان حالات میں اسی طرح کرتی ہے۔

میں ان عورتوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو تعویذوں سے شوہر کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور نہ ان کو پسند کرتا ہوں۔ جو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہیں۔

میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے گٹے کی طرح محبت کی ہے، محبت میں دنیا ہے میری جان تانی۔ اگر تم اس طرف سے بھی کچھ چاہتے ہو تو محبت کیوں کرتے ہو۔ گا۔ دیا کیوں نہیں کرتے۔ محبت انتقام نہیں لیا کرتی تانی، نہ اپنا پرچار کرتی ہے، وہ تو چپ چاپ خاموشی کے ساتھ تاریک دل کے نہاں خانے میں موم بتی کی طرح جلتی رہتی ہے۔ اور اس کا ہر آنسو زمین پر اس کی جڑیں مضبوط کرتا جاتا ہے۔ وہ ثابت قدم رہتی ہے۔ اور جہاں سے جلنا شروع کرتی ہے، وہیں بغیر ہلے بغیر آہ و بکا کیے جل جاتی ہے۔ اس کی موم کو تم جب بھی نئی شکل دو گے وہ دوبارہ اسی آب و تاب کے ساتھ جلے گی۔

اس لئے میری تانی یہ آہ وبکا یہ نالہ وفریاد سب مہمل ہے۔"

"تم شاید ٹھیک کہتے ہو" سلطانہ سرگوشی میں بولی۔

"مجھے شاید کے لفظ پر اعتراض ہے، اِسے اپنے فقرے سے خارج کر کے دہراؤ۔" میں سنے کہا۔

"نہیں تم غلط کہتے ہو، اگر مجھے کتے کی طرح ہی محبت کرنا تھا تو پھر مجھے اس دنیا میں اِنسانی وجود میں کیوں بھیجا گیا۔

سلطانہ کا یہ سوال میرے لئے ایک اچھی خاصی الجھن بن گیا۔ میں اُس سے ایسے سوال کی بالکل امید نہ کرتا تھا۔ لاجواب ہو کر خفت مٹانے کے لئے پہلے میں سنے اپنے گلاس کو حلق میں انڈیلا، پھر دوسرا جام بنایا۔ پھر نیا سگریٹ سلگایا۔ اور جب کچھ نہ سوجھا تو محض مسکرانے پر اکتفا کی، سلطانہ تمام معاملہ بھانپ گئی تھی اور موقعے کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ذرا بلند آواز میں بولی۔

"جواب دو یوسف، میں نے تم سے سوال کیا ہے۔"

"میرے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہیں، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ محبت کرنے والے دیتے ہیں لیتے کچھ نہیں، اگر آپ کو انسانی وجود نصیب ہوا ہے تو اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنے قریب کی چیزوں سے بالکل سبق حاصل نہ کریں، کچھ نہ سیکھیں۔ اور صرف اس لئے کمینگیاں کریں کیونکہ انسان کرتا ہے اور صرف انسان کی کمزوریوں پر توجہ دیں، انسان اگر انتقام لیتا

ہے ثانی، تو انسان معاف بھی کر دیتا ہے۔" میں نے محسوس کیا۔ جیسے میں کچھ وضاحت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

"مگر مجھے تم سے بالکل اتفاق نہیں ہے۔ تم مجھے چند مثالی شخصیتوں کے نام گنوا سکتے ہو۔ مگر میں اُن کی بات نہیں کر رہی۔ اپنی بات کر رہی ہوں۔ میں جو سلطانہ ہوں جس نے کبھی عظیم زندگی اور عالمگیر انسانیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں ایک عام اور معمولی لڑکی تھی۔ اور اب ایک عام اور معمولی عورت ہوں۔ میں ایک ایسے شخص کی بیوی تھی۔ جو مجھے بے حد محبت کرتا تھا۔ اور اب ایک ایسے شخص کی بیوی ہوں جو مجھے بالکل پسند نہیں کرتا، اجنبی دوست بن جائے تو مسرت ہوتی ہے۔ مگر جب دوست اجنبی ہو جائے تو کیا آپ پریشان نہ ہوں گے اور پھر ایسا دوست جس سے آپ کی زندگی وابستہ ہے ڈاکٹر ہیوگو میں نے بھی پڑھا ہے۔ میرے یوسف، مہاتما بدھ، اور حضرت عیسےٰ کے فرمان مجھے بھی ازبر ہیں۔ کسی کو دُکھ اور غم میں دیکھ کر میں بھی صبر کی تلقین کر سکتی ہوں۔ مگر جب اپنے ساتھ پیش آتی ہے پھر پتہ چلتا ہے۔

سلطانہ رک گئی۔ میز سے گلاس اٹھا کر وہ بھرے ہوئے سپ کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خشمندی کی چمک تھی اور مجھے اپنے کچھ دیر پہلے کہے ہوئے فقرے یاد آ رہے تھے جس میں مَیں نے اُس کے جذبات کو خاصی تکلیف پہنچائی تھی۔ اسی لئے میں اب اُس پہلے انداز میں بات نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سگرٹ کا کش لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو تانی۔ میں دراصل خواہ مخواہ تمہیں عام عورتوں سے بلند مرتبہ تصور کر رہا تھا، مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں تانی۔ کہ جب میں نے محبت کی تھی نا ——— مجھ میں دینے کی خواہش ضرور تھی لینے کی "قطعاً" کوئی خواہش نہیں تھی۔ یقین جانو تانی! اس محبت کی چنگاری جو میرے دل میں روشن ہے نا، وہ ہی میری زندگی کا سب سے عظیم راز ہے۔ اسی کے سہارے میں اس میں کوئی دلکشی محسوس کرتا ہوں۔ کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں تانی، کہ اگر یہ لڑکی میں زندگی میں میری زندگی میں نہ آتی۔ میں کسی اور لڑکی سے اس طرح پیار کرتا اور اسے حاصل کر لیتا، اور وہ میری بیوی بن جاتی۔ تو شاید میں بھی زندگی کو بے رنگ اور بے کیف کرنا دیکھ اور ٹھنڈا پاتا۔ مگر میں خوش ہوں کہ ایسا نہیں ہوا ہے، اس لڑکی نے کچھ نہ دیتے ہوئے بھی مجھے وہ کچھ دے دیا ہے۔ جس کا احسان اتارنے کے لئے اس زندگی کی میعاد نہایت حقیر ہے، میری موم کو اگر بار بار تپا دیا جائے گا تو تانی، یہ اسی چنگاری سے اسی آب و تاب کے ساتھ جلے گی، اور میں کتنا خوش نصیب ہوں۔"

"مگر تم یہ بھول رہے ہو یوسف کہ میں یوسف جمال نہیں ہوں سلطانہ ہوں۔"

سلطانہ اب مسکرا رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد وہ اپنے پہلے سے پیارے انداز میں بولی۔

"تمہیں ابھی بھوک نہیں لگی یوسف؟"

"ارے ہاں! ہمیں کھانا بھی تو کھانا ہے، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔"

"آؤ پھر" ون فار دی ڈنر" ہو جائے۔ سلطانہ نے اپنا خالی گلاس وسکی کی بوتل کے قریب رکھ دیا، وسکی کی بوتل ایک چوتھائی رہ گئی تھی۔ میں نے دو نئے پیگ بنائے ایک سلطانہ کو دیا اور دوسرا خود اٹھا کر اُس کے گلاس سے ٹکرا کر کہا۔

"آؤ یہ آخری جام ایک عام آدمی کی صحت کا جام بنا کر پئیں جو بنیادی طور پر کمینہ ہے۔"

"ہا ہا۔"

قہقہہ لگا کر سلطانہ نے یہ گلاس گلپ کر لیا اور پھر میرے قریب ہو کر بڑی نشہ آور اور پیار بھری آواز میں سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"کیا مجھے ایک عام آدمیوں والی حرکت کرنے کی اجازت ہے؟"

"ایک عام آدمی کی حیثیت سے میں تمہیں اِس کی اجازت دیتا ہوں۔" میں نے فخر محسوس کرتے ہوئے تن کر کہا اور سلطانہ بڑے پُر جوش انداز میں میرا منہ چُومنے لگی۔

کچھ دیر تو میں لطف اندوز ہوتا رہا۔ آخر تھک کر میں نے پیار سے کہا۔

"ایک عام آدمی اِس سے زیادہ پیار نہیں کر سکتا۔ جب کہ اُس نے ابھی ڈنر بھی کرنا ہو۔"

"تم ایک قنوطی مسخرے ہو ___" سلطانہ نے سنبھل کر بال درست کیے جنہیں

میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ بکھیرا تھا۔

"یہاں لفظ قنوطی پہ مجھے اعتراض ہے۔" میں نے وضعداری نبھانے کیلئے کہا۔

"ارے گیارہ بج گئے، جلدی چلو یوسف ورنہ وہ بیرہ بھی چلا جائیگا جسے میں نے انتظار کرنے کو کہا تھا۔" سلطانہ نے جلدی جلدی اپنی چھوٹی سی معطر ہتھیلی سے میرے چہرے کی ڈرائی کلیننگ کی۔

"اب تو ڈائیننگ ہال میں کوئی نہ ہوگا؟" میں نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، مری میں لوگ بحث کرنے نہیں آتے، کھانے اور سونے کے لئے آتے ہیں۔" اُس نے اعتماد سے جواب دیا۔

ڈائیننگ ہال میں پہنچکر ہمیں پتہ چلا کہ ہم عین وقت پر پہنچے ہیں۔ کیونکہ بیرے نے ٹیبل سے ابھی صرف سپون اور چھری کانٹے ہی اُٹھائے تھے، ڈنر کے دوران میں ہم کوئی بات نہ کر سکے۔ کیونکہ بیرا سر پہ کھڑا تھا، عام آدمیوں کی طرح ہم دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور سویٹ ڈش کھاتے وقت صرف ہم نے پیار سے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

لان میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا اور بڑا سا چاند سیسل کی چھت کے بالکل اوپر جگمگا رہا تھا، اس کی چاندنی میں برائٹ لینڈ کی چھتیں ہی نہ چمک رہی تھیں۔ بلکہ سلطانہ کا چہرہ بھی عجیب خواب آلودسی دلکشی

اختیار کر گیا تھا۔ اور اس وقت سوچتی ہوئی سلطانہ تو ادریس کی بیوی نظر آتی تھی اور نہ ہی میری کوئی دوست معلوم ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گمنام جزیرے کی ملکہ ہے جو اپنے دیس کے شور و غل سے گھبرا کر اس تنہائی اور خاموشی میں اطمینان کے دو لمحے گذارنے چلی آئی ہے۔ ہم دونوں لکڑی کے ایک سفید بنچ پر بیٹھ گئے۔ ہمارے چہرے چاند کی طرف تھے۔ تانی نے اپنا سر میرے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ اور میرے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر تھے

ہم دونوں خاموش تھے ہم دونوں سوچ رہے تھے؛

"چاند کو دیکھ کر میں سب کچھ بھول جاتی ہوں۔" سلطانہ جیسے خواب میں بڑبڑائی۔

"چاند کو دیکھ کر مجھے سب کچھ یاد آ جاتا ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"اس وقت تمہیں کیا یاد آ رہا ہے؟" اس نے اشتیاق سے سوال کیا۔

"تانی! میں سوچ رہا ہوں کہ کل گولڈ فلیک کی ڈبی پنواڑی ادھار نہیں دیگا کیونکہ آج دوپہر کو اس نے سگرٹ کی ڈبی دیتے وقت ذرا ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں کہا تھا، پندرہ روپے چودہ آنے، اور پھر تعجب سے پوچھا تھا کہ میرا منی آرڈر ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ اور تانی، مجھے اس وقت اپنی وہ قمیص بھی یاد آ رہی ہے۔ جو پرسوں دھوبی دے گیا تھا اور جس کا کالر بالکل پھٹ گیا ہے۔ اور میں سوچ رہا ہوں تانی کہ خدا معلوم میرے کتوں کو نوکر وقت پر راتب بھی

دیتے ہوں گے یا نہیں اور یہ کہ کل ہماری نمائش کا گیارہ بجے صبح یا دوپہر کہہ لو افتتاح ہے اور گورنر کی بجائے چیف جسٹس آ رہا ہے۔ خدا معلوم کتنے لوگ آئیں گے۔ اور میرے دوست اس وقت سو گئے ہوں گے یا جاگ رہے ہونگے مگر ڈبگا جو کہ میرے دوست متین زلفی کا پرائیویٹ نام ہے اپنا دھاگہ سا بیرنا کی موسیقی سے اس سال بھی جوڑنے میں کامیاب ہو گا یا پچھلے سال کی طرح پھر انشاءاللہ اگلے سال کہہ کر بات گول کر دے گا۔ اور یہ بھی سوچ رہا ہوں تانی! کہ ابھی صبح ہم نے ایک پھولوں کا ہار بنوانا ہے جو اس ربن کی جگہ دروازے میں باندھا جائے گا۔ جسے کاٹ کر چیف جسٹس نمائش کے افتتاح کا اعلان کریگا اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں تانی —— کہ لوگ جب مجھے کہیں گے کہ یہ تصویر کیا ہے' اور یہ تصویر سمجھائیے تو میں کس انداز اور کس لب و لہجے میں جواب دوں گا۔ معاف کیجئے! میں تصاویر بناتا ہوں۔ سمجھاتا نہیں۔" میں نے رک کر کہا۔

"فی الحال تو اتنا کچھ ہی یاد آ رہا ہے۔"

"کاش یوسف! تم چاند کو میری طرح دیکھ سکتے۔" تانی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اور کاش تم اسے میری طرح دیکھ سکتیں۔" میں نے گہرا سانس روک کر ملائمت سے کہا۔

"تم نے مجھے نمائش کا دعوت نامہ نہیں دیا" سلطانہ پیار سے ناراض ہو کر بولی۔

"وہ تمہارے آتشدان پر تمہاری تصاویر کے ساتھ پڑا ہے۔"

"میں تمہاری نمائش پر کون سا لباس پہن کر آؤں؟"

"اجنبیت کا لبادہ۔"

"کیا مطلب؟"

"تم مجھے وہاں نمائش میں اوّل تو بالکل نہ ملنا اور اگر ملنا ہی ہوا تو اجنبی بن کر ملنا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اتنی پیاری لڑکی میرے ساتھ اگر واقف کاروں کی طرح بات کرے گی تو میرے دوستوں کی بہت حوصلہ شکنی ہو گی۔"

"کاش تمہیں میرا بھی اتنا ہی خیال ہوتا جتنا تم اپنے دوستوں کا خیال رکھتے ہو۔"

"تمہارا خیال میں کچھ ان سے زیادہ رکھتا ہوں تانی۔"

"یہ تم میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہے ہو۔"

"یہ الزام ہے۔"

"شاید، مگر سانپ کا ڈسا ہمارا سی کو بھی ——"

"ارے یاد آیا، سلطانہ یہ برسات کا موسم ہے۔ اور اس موسم میں سانپ وانپ عام پک نک کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ چلو یہاں سے بھاگیں ہائے بابا، ابھی تو مجھے اس زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے"

"تم بڑے خود غرض مسخرے ہو"

"لفظ خود غرض پر مجھے اعتراض ہے۔ تانی مجھے تمہارا زیادہ خیال ہے"

"جسے انسان ڈس چکا ہو یوسف، وہ سانپوں کے ڈسے سے نہیں مر سکتا، تم صرف اپنے متعلق سوچ رہی ہو"

"تمہارا سانپ تو اس وقت ہوائی جہاز میں ہوگا"

"اور اس کی آستین میں ایک اور سانپ ہوگا" سلطانہ قہقہہ لگا کر بولی جیسے جولیا کی یاد نے اُسے مسرت بخشی ہو، شاید وہ غیر شعوری طور پر اس بات سے خوش ہو رہی تھی۔ کہ جولیا اس کے شوہر سے انتقام لے گی۔

"اچھا پیاری اور عام سی عورت خدا حافظ" میں نے اس کے ہونٹوں کو بڑے تکلف سے چومتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ میرے بڑے ہی پیارے اور نارمل محبوب" اُس نے پھر قہقہہ لگایا۔

اور میرے اصرار کے باوجود وہ برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے تک مجھے چھوڑنے آئی، اور مجھے بڑے پیار سے انداز میں اُس نے آنکھیں بند کر کے اور سر میرے سینے سے لگا کر کہا۔

"وش یو بیسٹ آف لک، ڈارلنگ گڈ نائٹ"

اور میں نے اِس بار تمام تر فار میلیٹی کو نظر انداز کر کے گرمجوشی سے اس کا منہ چوما اور ہاتھ ہلا کر اُس سے رخصت ہوا ۔

(۹)

نمائش کا افتتاح ہوئے آج تیسرا دن تھا۔

صبح سے ہی باورں نے مری کو بے حد حسین اور پُراسرار سی حیثیت دے دی ہوئی تھی۔ وہ رنگڑ بگا پچھلے تین روز سے میری حرکات پر کڑی نظر رکھ رہا تھا۔ کیونکہ نمائش کے افتتاح پر سلطانہ کو میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ دیکھ چکا تھا۔ کلرک کا خیال تھا۔ یہ محض لگڑ بگے کا وہم ہے۔ ایسی پیاری سی لڑکی اتنے وحشی قسم کے آدمی سے کبھی مسکرا کر بات بھی نہیں کر سکتی اور لگڑ بگے کا خیال تھا کہ عورت بیوقوف ہے کیونکہ اگر وہ بے وقوف نہ ہوتی تو اس سے کبھی کوئی عورت بات تک، نہ کرتی۔

آج لگڑ بگا پھر فروخت شدہ تصاویر کیلئے "سولڈ" کی پرچیاں بناتے

ہوئے اسی موضوع پر بحث کرنے کے لیے پر تول رہا تھا اور میں کلارک سے "سیبے رینا" فلم کی باتیں کر رہا تھا، اور باہر بارش ہو رہی تھی۔ اور اس بارش کی بوریت سے بچنے کے لئے میں نے میز پر رکھے ہوئے اخبار اور رسائل پڑھے اور جب کسی طرح وقت نہ کٹ سکا تو میں نے پچھلے تین روز سے جمع شدہ "آٹوگراف بکس" اٹھالیں اور انہیں پڑھتا رہا۔ وقت گذارنے کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ لگے ہاتھوں آٹوگراف ہی دے دئے جائیں۔

لڑکیوں کے آٹوگراف بکس میں سے مجھے دو پسند آئیں۔ اور ان میں سے پہلی پر میں نے یہ مصرعہ لکھا۔ ع

اونٹ ہے صحرا میں اور بیرونِ صحرا کچھ نہیں

اور دوسرے پر یہ شعر لکھا ؎

جھلک بھاگتے چور کی دیکھ لی تھی
اب آنکھوں کے آگے لنگوٹی رہے گی

اب لڑکوں کی آٹوگراف بکس کا نمبر آیا ان میں سے صرف ایک مولوی قسم کے بچے کی آٹوگراف بک دل کو بے انتہا بھائی جس میں جابجا علامہ اقبال کے اشعار اور بقراطوں کے قول لکھے ہوئے تھے۔ نصیحتیں، مقولے اور حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ قسم کے فقرے، فوراً دل میں قوم کا درد آنکھیں ملتا ہوا ایک توبہ شکن سی انگڑائی لے کر جاگ اٹھا، اور ہم نے جو کچھ اس پر تحریر کیا لفظ

بہ لفظ پیش کر رہے ہیں۔

آج کے بیٹے کل کے باپ
سُن میری باتیں چپ چاپ

بیٹے! بزرگوں کی نصیحتیں سُنو اور انہیں یاد رکھو مگر ان پر کبھی عمل نہ کرو کیونکہ اگر تم نے ان پر عمل کیا تو ابا جان کے زمانے کی ایک پرانے ماڈل قسم کی چیز بن کر رہ جاؤ گے جس پر اس زمانے کے لوگ ہنسیں گے۔ اور اگر وہ تمہیں یاد رہیں تو فرصت کے لمحات میں ظرافت طبع کا باعث ہوں گی ——

بزرگوں کے سامنے ہمیشہ ادب کے ساتھ خاموش بیٹھے رہو۔ اس لئے کہ وہ جب بچے تھے تو وہ بھی یونہی کیا کرتے تھے۔ اور ایک دن تمہارے بھی بچے ہوں گے، لہٰذا اس دن سے ڈرو،

بزرگوں کے سامنے کبھی ننگے سر مت جاؤ، کیونکہ تمہارے خوبصورت سیاہ اور چمکدار بال دیکھ کر وہ اپنی بے بال کی چندیا پر آہیں بھرتے ہوئے ہاتھ رکھیں گے اور بار بار یہ شعر دہرائیں گے ؎

یہ حال سر کا ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی میں اُن کو کبھی اپنے سر کو دیکھتا ہوں

جھوٹ بولو، گالی دو، حماقتیں کرو، کیونکہ ایسا کرنا تمہارا پیدائشی حق ہے اور اگر تم نے یہ سب کچھ اِس عمر میں نہ کیا، تو یہی سب کچھ تمہیں اُس عمر میں

کرنا پڑے گا جب کہ یہ تمہیں نہیں کرنا چاہیے۔

یوسف جمال

ایک بج گیا تھا اور لنچ کے لئے لگڈیگا اور کلارک دونوں تیار کھڑے تھے۔ میں نے قلم جیب میں رکھا اور ان کے ساتھ ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا، بارش تھم چکی تھی۔ مگر آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ آج بھی کلارک نے "کی ہول" میں سے جھانک کر کمنٹری کرنا چاہی۔ مگر دوسری طرف آج کوئی پلیئر میدان میں نہیں اترا تھا۔

لنچ سے فارغ ہو کر ہم قیلولہ فرمانے کے لیئے اپنے اپنے بستروں میں گھس گئے، چار بجے کی چائے کے بعد حسبِ دستور بیر پہ "جدید مصوری" کی بحث شروع ہو گئی۔

مگر آج بحث کا انداز کچھ مختلف تھا اس لئے میں نے رائے دی کہ اس بحث کا عنوان پہلے قائم کر لیا جائے، بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد میں نے ایک عنوان تجویز کیا "نمائش اور جدید مصوری کی مقبولیت" اس عنوان کو منظور کر لینے کے بعد زاردقطار بحث شروع ہو گئی۔

چھ بجے شام ہم نمائش کے ہال میں پہنچ گئے۔ کچھ حضرات پہلے سے ہی احمد علی کے منتظر کھڑے تھے۔ کیونکہ وہی تصاویر کی تشریح کیا کرتا تھا۔ دیکھتے ہی وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔

"صاحب! یہ "جولائی" تصویر کی وضاحت کیجئے"۔

"اس تصویر میں چڑیا کہاں ہے؟"

"یہ انار کلی کیسے ہوئی؟"

"یہ مکان ایسا کیوں ہے؟"

"یہ مصوری کی کونسی قسم ہے؟"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"آپ اس طرح کی تصاویر کیوں بناتے ہیں؟"

اور احمد علی کلرک مسکراتے ہوئے نہایت صبر وسکون کے ساتھ ہر سوال کا جواب بڑی سعادت مندی سے دینے میں مصروف تھا، لگڑ بگا کونے میں کرسی پر بیٹھا ایک عورت کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ جو احمد علی کی تصاویر میں بے حد دلچسپی لے رہی تھی، اور میں دروازے پر کھڑا سگرٹ پی رہا تھا۔ اتنے میں تین خواتین نے آکر مجھے گھیر لیا، ایک سیاہ ایک سُرمئی بُرقعے میں تھی۔ اور تیسری بغیر بُرقعے کے تھی۔

"آپ کا نام یوسف ہے؟" کالے برقعے والی نے پوچھا۔

"جی ہاں"

"ہمیں اپنی تصاویر سمجھایئے۔" کالے برقعے والی نے برقعے کا نقاب اٹھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں" میں نے تعجب سے سوال کیا اور پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی میں بھی پینٹ کرتی ہوں مگر آپ کی تصاویر میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ آپ ذرا ہمیں سمجھا دیجئے"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ بے حد پیاری سی گھریلو اور معصوم لڑکی تھی۔ اِس لئے میں ایک تو اُس سے باتیں کرنا چاہتا تھا اور دوسرے اُس سے مزید باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اِس لئے میں نے نرمی سے کہا۔

"محترمہ! میں تصویر بناتا ہوں سمجھاتا نہیں مگر آپ چونکہ پینٹ کرتی ہیں اِس لئے میں آپ کی حوصلہ شکنی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر کیا ہی بہتر ہو اگر آپ کل نمائش میں اکیلی تشریف لائیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی پیاری سہیلیاں خواہ مخواہ ہماری باتوں سے بور ہوں"۔

"اچھا فردوس ہم جا رہی ہیں"۔ سرمئی برقعے والی نے جلدی سے کہا۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے"۔ میں نے سُرمئی برقعے والی سے جھوٹ بولا۔

"جی نہیں، ہمیں پنڈی پوائنٹ تک جانا ہے، آپ فردوس کو تصویر سمجھایئے ہم واپسی پر اسے ساتھ لے جائیں گی"۔

فردوس مسکرا رہی تھی اور اس کی دونوں سہیلیاں اس کا ہاتھ دبا کر چلی گئیں میں فردوس کو لے کر جب ہال میں داخل ہوا تو کلرک نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں اُسے ایک مدت کے بعد نظر آیا ہوں اور وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا

ہے، اور جب میری نظریں لگڑ بگے پر پڑیں تو وہ اپنی لگڑ بگریت سمیت مجھے گھور رہا تھا، میں نے دونوں کو نظر انداز کر دیا، اور فردوس کو تصاویر سمجھانے لگا جب کوئی قریب آکر کھڑا ہوتا، میں فوراً خاموش ہو کر اُسے گھورنا شروع کر دیتا جب تمام تصاویر سمجھائی جا چکیں تو ہم ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے، فردوس نے کہا۔

"میں امتحان دے رہی ہوں اور مصوّری میرا ایک مضمون ہے۔"

"آپ کس کالج میں پڑھتی ہیں؟"

"اسلامیہ کالج میں۔"

"پھر تو آپ مسجدیں بنانا پسند کرتی ہوں گی۔"

"جی نہیں، میں گریجویٹ کرنا چاہتی ہوں، دراصل مجھے لینڈ سکیپ سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"ابتدا میں ہر شخص لینڈ سکیپ ہی بنانا پسند کرتا ہے۔"

"مگر آپ کے یہ دوست۔" اُس نے احمد علی کی تصاویر کی طرف اشارہ کیا جو لینڈ سکیپ بناتا تھا۔

"جی ہاں، اس کی بھی ابتدا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ پچھلے دس سال سے کام کر رہا ہے۔ مگر بعض لوگ انتہا تک ابتدی رہتے ہیں۔" میں نے اس کا شک دور کیا۔

"میں دراصل آج آپ سے ملنے آئی تھی۔ مجھے آپ کا آٹوگراف لینا ہے"

"آٹوگراف بک دیجیے"

"وہ تو میں بھول آئی ہوں، کل لاؤں گی"

"بہت بہتر۔"

"مگر آپ کو اُس پر کوئی تصویر بنانا ہو گی"

"تصویر بنانا تو مشکل ہے کیونکہ ہم مری میں کلر وغیرہ نہیں لائے"

"آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"سے رنیا، ہوٹل میں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے ویسے آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"ویسے میں لاہور میں رہتا ہوں، کیا آپ نے ہماری 'کیٹے لوگ' نہیں دیکھی۔"

"دیکھی تھی"

"اُس میں ہم تینوں کے پتے تحریر ہیں، آپ نے پڑھی نہیں؟"

"نہیں" وہ مسکرانے لگی اور اس کی مسکراہٹ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے 'کیٹے لوگ' کی ایک کاپی اُسے دی۔ اُس نے اُس پر آٹوگراف مانگا تھا میں نے دے دیا، دروازے تک جا کر وہ رُک گئی میں جب قریب پہنچا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"شکریہ کہنا تو میں بھول ہی گئی تھی۔"

"نہیں آپ بھول رہی ہیں۔ آپ نے کہا تھا۔" میں نے شرارت سے جواب دیا۔

"میں نے کہا تھا؟" اُس نے تعجب سے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں؛ زبان سے نہیں آنکھوں سے۔" میں نے کہا، اور وہ شرما کر سُرخ ہو گئی۔ پھر دبی زبان میں بولی۔

"میں یہاں قریب ہی رہتی ہوں اگر ابھی آپ کو آٹو گراف بک لا دوں تو کل آپ کچھ لکھ دیں گے نا؟"

"ضرور۔"

"تو پھر میں ابھی آئی۔" بچوں کی طرح وہ یہ فقرہ کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتی بھاگ گئی۔ کلرک تصاویر سمجھانے میں مصروف تھا۔ لگر ٹیگے نے میرے قریب آکر کہا۔

"کون تھی یہ؟"

"پتہ نہیں۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔

"کیا کہتی تھی؟" اُس نے رعب سے پوچھا۔

"بور کر رہی تھی۔" میں نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

لگر ٹیگا خاموش ہو گیا اور میں کھسک کر نمائش کے ہال سے باہر آکر

کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں فردوس کی وہ دونوں سہیلیاں آگئیں، سُرمئی برقعے والی نے میرے قریب آکر تعجب سے پوچھا۔

"فردوس کہاں ہے؟"

"وہ تو فوراً ہی آپ کے پیچھے چلی گئی تھی۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"ہائے اللہ! ہمیں تو نہیں ملی۔" لعبیر برقعے والی نے کہا۔

"اچھا! تعجب ہے" میں نے لاعلمی ظاہر کی۔

"مگر ہم اسے آپ کے سپرد کر کے گئے تھے، آپ نے جانے کیوں دیا؟" سرمئی برقعے والی نے دھونس جماتے ہوئے کہا۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں، رسید دکھایئے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہماری سہیلی کھو گئی ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" اُس کی آواز بلند ہو گئی

"مگر اس میں میرا قصور ـــــ" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"یہ سراسر آپ کا قصور ـــــ"

وہ ابھی اپنا فقرہ بھی مکمل نہ کر پائی تھی کہ فردوس نے آکر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو طاہرہ، زبیدہ ـــــ تم اتنی جلدی آگئیں۔"

"لیجئے صاحب! ڈبیہ میں بند کر کے رکھئے، آگئی ہیں آپ کی سہیلی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ لیجئے آٹوگراف بک۔" فردوس نے آٹوگراف بک میری طرف بڑھائی اور میں جلدی سے آٹوگراف بک لے کر پھر ہال میں چلا گیا۔

ڈنر پہ سخت گرماگرم بحث ہوئی کہ اگر وہ تین لڑکیاں تھیں تو تم نے انہیں ہمارے ساتھ متعارف کیوں نہ کرایا۔ میں بار بار انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ وہاں پر صرف ایک لڑکی، ایک برقعہ اور ایک میں تھا اور لگڑ بگے کو بیر کے نشے میں آج دو کی بجائے تین نظر آ رہے تھے۔ مگر کوئی میری بات نہ مانا۔ ڈنر کے بعد طے پایا کہ مجھے اس آٹوگراف بک پہ کلرک اور لگڑ بگے کے آٹوگراف بھی لینے چاہئیں۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ وہ نازک اندام دوشیزہ بانوئے شہر لاہور صرف میرے آٹوگراف چاہتی ہے۔ مگر یہ کسی صورت نہ مانے اور جب وہ کسی صورت بھی نہ مانتے ہوئے نظر نہ آئے تو میں مان گیا۔

آج خوشی سے میرے اندر لڈو پھوٹ رہے تھے لہٰذا ڈنر کے بعد سیر کرتے ہوئے جب ہم کراچی سویٹ مارٹ پر پہنچے تو وہاں سے مٹھائی کھانے کی بجائے آج انہیں لڈوؤں سے منہ میٹھا کیا گیا۔ بلکہ ایک لڈو حلوائی کو بھی دیا۔ جو اس نے کھا کر تحقیق کے بعد بتایا کہ اس میں خالص گھی استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ آسانی سے ہضم نہ ہو سکے گا۔

"مے ربنا" کے کمرہ نمبر پندرہ میں پہنچ کر کلرک اور لگڑ بگا مل گئے اور انہوں نے مل کر مجھے مطلع کیا کہ میری حرکات قابلِ شبہ ہیں اور پچھلے کئی دنوں سے

میں بدلا بدلا سا نظر آ رہا ہوں۔ کلرک کہتا تھا۔ کہ اُس نے ایک دن میرے کوٹ کی جیب سے سگرٹ نکالتے وقت ایک زنانہ رومال دیکھا تھا۔ لگڑ بگا کہہ رہا تھا۔ کہ میرے سوٹوں میں سے "مس چیف" سینٹ کی خوشبو آتی ہے۔ اور میری آنکھوں میں کچھ دنوں سے ضرورت سے زیادہ چمک آگئی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں کوئی ایسی حرکت کر رہا ہوں جو دل سے تعلق رکھتی ہے۔

مجھے ان دونوں کے شک و شبے اور بے تکلفی پہ سخت غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ میں پچھلے تین روز میں صرف ایک بار سلطانہ سے مل سکا تھا اور وہ بھی کچھ دیر کے لئے۔ اور میرا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔

جب وہ دونوں حسبِ توفیق لعنت ملامت کر چکے تو کلرک لمبی تان کر پڑ گیا اور لگڑ بگے نے سائبریا کی موسیقی سے اپنا دھاگا جوڑنے کی کوشش شروع کر دی۔

میں آج فردوس کی مسکراہٹ اور اس کے دھیمے اور دبے ہوئے لہجے کے نشے میں سرشار تھا۔ لہٰذا "لاسٹ سگرٹ آف دی ڈے" پئے بغیر ہی بستر پر لیٹ گیا۔

اور سائبریا کی موسیقی آہستہ آہستہ مجھ سے دور ہوتی گئی ؎

(۹)

آج مری میں میرا آخری دن تھا۔

کل صبح کی بس سے میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں لاہور جا رہا تھا۔ نمائش کو ختم ہوئے آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ نمائش بہت کامیاب رہی تھی اور لوگ ہمیں مال پہ چلتے ہوئے گھورنے لگے تھے۔ مری سے ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی، گو ابھی تک لگڑ بگا اور کلرک مجھے سلطانہ کے ساتھ ٹھیک طرح دیکھ نہ سکے تھے۔ مگر مری کے بہت سے لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ کشمیر پوائنٹ ایک دن تالاب کے کنارے بادلوں سے گھرے ہوئے کھلے آسمان کے نیچے "سینٹ ڈے نیز" کے پہلو والے ایک بڑے خوشگوار اور سرسبز کونے میں ایک انگریز جوڑے نے

جب ہمیں ایک دوسرے کو چومتے دیکھا۔ تو ستر سالہ بوڑھا منہ سے پائپ نکال کر بولا۔

"ہانی مون"۔

"کورٹ شپ" اسی عمر کی تیلی دبلی اور خوبصورت سی معمر عورت نے جو اس انگریز کی بیوی معلوم ہوتی تھی۔ جواب دیا۔ اور تانی اپنی مدھر پیاری .... اور گلابی دو مختلف آنکھوں سے دو مختلف سوال کر رہی تھی۔

"ہانی مون؟"

"کورٹ شپ؟"

اور میں ایک وقت میں دو مختلف لڑکیوں کے متعلق ایک ساتھ غور کر رہا تھا۔

"سلطانہ؟"

"فردوس؟"

"سرخ ساڑھی؟"

"کالا برقعہ؟"

"آؤٹ ڈور؟"

"اِن ڈور؟"

"کنورٹ ایبل":

"سیلون":

اور میرا خیال ہے سلطانہ اور میں دونوں کسی خاطر خواہ نتیجے پر نہ پہنچ سکے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد ہم بجھے بجھے سے دل سے گفتگو کرتے برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے پر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے۔ بہرحال آج مری میں میرا آخری دن تھا اور یہ دن صرف میرا تھا اور میں نے اسے صرف تانی کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ کلارک اور لگڈ بگا چونکہ ابھی کچھ دن اور مری میں ٹھہر رہے تھے۔ اس لئے وہ مجھے بہر کی ایک الوداعی پارٹی دینا چاہتے تھے کچھ اور دوست شام کی چائے پر "لن ٹوٹ" میں بلانا چاہ رہے تھے، مگر میں ان میں سے کسی کو بھی وقت نہ دے سکتا تھا، اور میرے اس انکار پر اُن کا شک یقین میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اور کلارک جو کہ لگڈ بگے سے کسی حد تک شریف اور عقلمند آدمی ہے۔ مجھے زور دے کر کہہ رہا تھا کہ اُس دن جو تم سُرخ ساڑھی والی لڑکی سے بات کر رہے تھے۔ تم یقیناً اُسے جانتے ہو۔ تم ضرور اُس سے ملتے ہو، تم اکثر اُس سے ملتے ہو۔

اور مجھے اب واقعی محسوس ہو رہا تھا کہ یہ میری زیادتی ہے۔ مجھے باآوازِ بلند اِس بات کا اقرار کر لینا چاہیئے کہ میں اُسے جانتا ہوں، ایک رات "مے رینا" سے جو غیر حاضر رہا تھا وہ بھی میں نے برائٹ لینڈ کے نمبر پندرہ کمرے

میں گذاری تھی۔ مگر دل نہ مانتا تھا، پہلے سوچا آج لگے ہاتھوں اِن سالوں کو سلطانہ سے چائے پر ملاقات کرادوں۔ پھر سوچا اب جہاں اتنے دنوں اِس راز کو پیٹ میں رکھ رکھ کر ہاضمہ خراب کرتا رہا ہوں، اُسے کچھ گھنٹے اور کیوں نہ برداشت کرلوں۔ گو یہ چند گھنٹے کئی سال کے برابر محسوس ہو رہے تھے۔

"ارے سالے امیر حمزے، وہ سالی اگر اُس دن تجھ سے راستہ پوچھ رہی تھی تو پھر اِس میں مسکرانے کی کیا بات تھی، کلرک نے اُسے صاف مسکراتے دیکھا ہے، لگڑ بگے نے پھر پرانی بات کو چھیڑ دیا۔

واقعہ دراصل یوں ہے کہ ایک دن جب تانی نے مال پہ چلنے کیلئے بہت ضد کی تو میں اُسے کوئی سہ پہر کے وقت اِس خیال سے مال روڈ پر گھمانے لے گیا کہ چلو اِس وقت وہ دونوں منکر نکیر قیلولہ کر رہے ہونگے میں نے ٹھاٹھ سے سنسان اور اداس "ٹن ٹوٹ" میں بیٹھ کر تانی کے ساتھ کافی پی، فوٹو گرافر دوست کی دکان سے بچتے بچاتے اِدھر اُدھر شاپنگ کی کشمیر پوائنٹ تک ہو آئے اور عین اُس وقت جب تانی مجھ سے جدا ہو رہی تھی، دُور سے لگڑ بگا اور کلرک آتے دکھائی دیئے، اور میں نے جلدی جلدی خدا حافظ کہہ کر سلطانہ کو چلتا کیا۔ اور خود وہیں کھڑا اُن دونوں کا انتظار کرتا رہا اُنہوں نے قریب آکر اَن گنت سوال کر دیئے۔

"کون تھی یہ؟ لگڑ بگا چلّایا۔

"یہی تھی وہ" کلرک نے کہا۔

"وہ ریشمی زنانہ رومال" لگڑ بگا سوچنے لگا۔

"سالے جلدی بتاؤ" لگڑ بگا نے دھونس دی۔

"ابے تو مس چیپٹ یہی ہے نا؟" کلرک نے مسکرا کر کہا۔

جب وہ دونوں حسب توفیق بول بول کر تھک گئے تو میں نے نہایت لاعلمی اور انکساری سے کہا۔

"دوستو! کاش ایسا ہو سکتا جس طرح تم لوگوں نے سوچا ہے مگر یہ محترمہ تو مجھ سے برائٹ لینڈ کا راستہ پوچھ رہی تھی"

ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ کلرک جسے میں شریف سمجھتا تھا۔ سالا لگڑ بگے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ مگر جب میں نے کسی طرح بھی ان پر پانی نہ پڑنے دیا تو وہ دونوں تھوک نگل کر رہ گئے۔

اب یہ پھر اُسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور میں اُسی اداکاری کے ساتھ معاملہ گول کرنے کا موڈ بنا رہا تھا، آخر میں موڈ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور یہ اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے سلطانہ کو زیر بحث بنایا ورنہ شاید آج دن کے کسی نازک لمحے میں میں سلطانہ کو ان سے متعارف کرا دیتا۔ مگر اب ضد کی وجہ سے میں اس نامعقول حرکت کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر جب ہم مال روڈ پر پہنچے، تو اِن دونوں نے اور میں نے یوں ایک دوسرے کی طرف بیزار نظروں سے دیکھا جیسے ہم ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہیں۔ اور اب کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے۔

حسب دستور آج بھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے مگر برائٹ لینڈ کی طرف جاتے ہوئے ہوا کے ٹھنڈے جھونکے مجھے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے میں داخل ہو کر جب میں اترائی اترنے لگا تو سامنے سے سلطانہ اوپر کی طرف آتی دکھائی دی۔ میں وہیں رُک گیا آج سلطانہ مجھے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ آج وہ بہت بدلی بدلی نظر آ رہی تھی۔ آج وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اُس نے قریب آکر ایک مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا اور سانس درست کرنے لگی۔

میں سلطانہ کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اور میری نگاہیں بار بار اوپر سے نیچے تک آ جا رہی تھیں۔ میں نہ معلوم کب تک اُسے یونہی دیکھتا رہا۔ آخر ایک زوردار قسم کے ہیلو نے مجھے چونکا دیا۔

"او ہیلو۔" میں نے چونک کر بے انتہا خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے، آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟" اُس نے شوخ سی مسکراہٹ ہونٹوں اور آنکھوں میں پیدا کر کے کہا۔

"تانی میں ——"

"میں سمجھ گئی ہوں، آپ بہت خوش ہیں۔ آپ نے مجھے آج پہلی بار شلوار قمیض میں دیکھا ہے۔ اور اس لباس میں میں بہت اچھی لگ رہی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں مجھے یہ لباس بہت اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے میں اسے کم اور خاص خاص موقعوں پر پہنتی ہوں اور خاص آدمیوں کے لیے پہنتی ہوں۔" سلطانہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"کیا یہ خاص آدمی پوچھ سکتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتی ہو؟" میں نے شرارت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ میں ہر عام آدمی کو اچھا نہیں لگنا چاہتی۔"

"تم کہاں جا رہی تھیں؟" میں نے پیار سے پوچھا۔

"اسے چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا تم کل واقعی جا رہے ہو؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں، مگر تم نے اس شلوار قمیض کا ایک اتنا مضبوط جال بچھایا ہے کہ اعتماد ہانپ رہا ہے۔ کاش تم ایک دن اور یہ لباس نہ پہنتیں" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر تمہیں ایک دن اور رہ جانا ہوتا تو شاید میں ایسا ہی کرتی۔"

"تو کیا تم نے یہ لباس مجھے وداع کرنے کے لئے پہنا ہے؟"

"ہاں"

"کاش! تم اسے پہن کر میرا استقبال کرتیں۔" میں نے سچ مچ آہ بھری۔

"پھر کیا ہو جانا تھا؟" نازی نے گہری گہری نظروں سے میری طرف بولی

دیکھ کر سوال کیا کہ ایک لمحے کیلئے تو میرے بدن میں سنسنی سی پھیل گئی

"قیافہ شناسی کا علم تو میں نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کچھ ہو ضرور جانا تھا۔" میں نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"میں بتاؤں کیا ہونا تھا؟" اُس نے بے حد سنجیدہ سی صورت بنا کر کہا

"بتاؤ" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہونا یہ تھا کہ اگر میں تمہیں شلوار قمیض میں ملتی تو تم نے وہی تمام حرکتیں کرنا تھیں جو تم کر چکے ہو۔ اور آخری روز اگر تمہیں وداع کرنے کے لیے میں ساڑھی باندھ لیتی تو تم نے انہیں نظروں سے مجھے گھورنا تھا اور یہی فقرے کہنا تھے۔" اُس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"آؤ چلیں۔" میں نے بات ٹالنا چاہی۔

"کہاں؟" اُس نے یہ بات محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"سی سل۔"

"چلو۔" اُس نے بے نیازی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اُس کا ہاتھ گرم تھا۔ اور یہ گرمی مجھے بہت پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ سی سل کے راستے میں ہوا بہت تیز چل رہی تھی جس سے تانی کا دوپٹہ اُڑ رہا تھا۔ اور اُسے وہ ساڑھی کے پلو کی طرح سنبھالنے کی بار بار کوشش میں بڑی معصوم اور دل کش نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو پیار اور گرمجوشی سے دباتے ہوئے کہا۔

"تانی! تم بہت اچھی ہو، کاش تم اور بھی اچھی ہو سکو۔"

وہ خاموش تھی۔ میں نے دوبارہ پیار بھرے لہجے میں اُسی طرح کہا۔

"تانی! تم بہت خوبصورت ہو۔ کاش تم اور بھی خوبصورت ہو سکو۔"

"تو کیا لکس صابن استعمال کیا کروں۔" اُس نے چڑ کر کہا۔

"تم میرے پُرخلوص اور معصوم جذبات کا مذاق اُڑا رہی ہو؟" میں نے واقعی بُرا مانتے ہوئے کہا۔

دُور سے ایک سفید بڑا سا کابلی کتا آ رہا تھا، سلطانہ نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ دیکھو! تمہارا دوست آ رہا ہے۔"

"یہ میرا دوست نہیں میرا بھائی ہے سلطانہ، اور یہی وہ بھائی ہے۔ جسے بھائی کہنے کے بعد میں دل میں شرم محسوس نہیں کرتا۔" میں فوراً جذباتی ہو گیا۔

"چلو اِسے بھی سی سل کافی پلانے کے لئے لے چلیں۔" سلطانہ اُسی انداز میں بولی۔

"یہ اِن چیزوں سے بے نیاز ہے۔"

"ارے تم جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟" سلطانہ نے سی سل کے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"کتّا! میری کمزوری ہے تانی، پہلی اور آخری کمزوری۔" میں نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

حسبِ معمول رسی سل، کالان پراسرار خاموشی لیئے ہوئے ہمارا منتظر تھا۔ اور ہم اپنے پسندیدہ حصّے میں سفید آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے، بیرہ آیا اور اُس نے شگفتہ سی مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا، میز صاف کی، اور دھیمی آواز میں کافی کا پوچھ کر چلا گیا۔

"یوسف! تو کیا تم کل چلے جاؤ گے؟" سلطانہ نے یہ سوال کچھ اس انداز سے کیا اور اُس کے لہجے میں کچھ اس طرح کی قربت تھی۔ کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے یہ سوال خود سے کیا ہو۔ میں نے وداعی سی نگاہوں کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا، وہ اداس، خاموش اور سنجیدہ تھی۔ آج اس کی ہلکے شیڈ کی لپ سٹک بھی نہ چمک رہی تھی۔ اس کی شریر آنکھوں میں وہ مسکراہٹ بھی نہ تھی۔ اور اس سے پیشتر کہ میں جواب دوں، وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"میں سمجھ گئی ہوں، تم کہہ رہے ہو کہ تم کل چلے جاؤ گے۔"

ماحول میں ہولناک سی خاموشی چھا گئی۔ اور اس دوران میں بیرا آیا اور کافی کے برتن رکھ کر چلا گیا۔ دو عورتیں آئیں اور چلی گئیں۔ اُن کا کتا لہبا کتا ہوا لان میں آگیا اور چلا گیا۔ مگر ہم دونوں چپ چاپ اور خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، اور پھر یک دم سلطانہ قہقہے لگانے لگی۔ اور میز پہ جھک کر اُس نے کافی بنانا شروع کر دی، کافی میں دودھ اور بہت سی کریم ملا کر اُس نے مجھے ایک پیالہ دیا اور دوسرا پیالہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اُس نے کافی کے

ایک دو گھونٹ پی کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم بہت بڑے اداکار مسخرے ہو۔"

"لفظ اداکار پر مجھے اعتراض ہے اور یہ اداکاری نہیں ہے تانی۔" میں غصے میں جلدی جلدی کافی پینے لگا۔

آسمان پر بادل چھٹ گئے تھے اور پھیکی سی دھوپ لان پہ پھیل گئی تھی، ہوا اب پہلے سے زیادہ بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے سگرٹ کیس نکال کر تانی کی طرف بڑھایا۔ مگر اُس نے سر کی جنبش سے انکار کر دیا۔ اس کے اس انکار سے میرا سگرٹ پینے کا موڈ بھی دھواں سا بن کر اڑ گیا۔ اور میں نے سگرٹ کیس بند کر کے میز پر رکھ دیا۔ مگر سلطانہ نے میری اس حرکت کو بالکل نظر انداز کر دیا، دور بو رہان کے پہاڑوں سے اوپر کا آسمان نیلا ہو گیا تھا۔ اور ان پہاڑوں پر سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور اُس دھوپ کو دیکھ کر میں لاہور کی دھوپ اور اس کی تیزی کا اندازہ کر رہا تھا یکدم سارے ماحول میں تیز دھوپ پھیل گئی۔ اور میں نے جب سلطانہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو میری آنکھیں چندھیا گئیں اور یکایک تانی کے چہرے کی پُر وقار سنجیدگی مسکراہٹ میں بدل گئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے جھیل کی پُر سکون سطح پر کنکر پھینک کر اُس میں ارتعاش پیدا کر دیا ہو اور وہ ارتعاش دائروں کی شکل میں اُس پُر سکون سطح پہ پھیل گیا ہو۔ مسکراہٹ کے کچھ ایسے ہی دائرے سلطانہ کے چہرے پر پھیل رہے تھے آخر وہ چمکدار سطح ایک بار پھر پُر سکون ہو گئی۔

"تانی" میں نے بہت نرمی سے کہا۔ ایسے جیسے کوئی بچہ تالاب میں کاغذ کی ناؤ چھوڑ دے۔

"کیا ہے" کاغذ کی ناؤ کو ہلکورا سا لگا۔

"کوئی بات کرو" میں نے آہستہ سے کہا

"میرا تو خیال ہے ہم باتیں کر رہے تھے" اس نے گہرا سانس لے کر میرے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ محض تمہارا خیال ہے" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"یہ تم نے کافی پینے کے بعد سگرٹ کیوں نہیں پیا؟" اس نے سوال کیا۔

"تم نے جو انکار کر دیا تھا ـــــ"

"مگر میں نے چھوڑ دیا ہے"

"کیوں؟"

"قوتِ ارادی کو مضبوط بنانے کے لئے۔"

"اور وسکی ـــــ؟"

"وہ بھی اب نہیں پیوں گی۔"

"اور ضد ـــــ؟"

"وہ بھی اب نہیں کروں گی۔"

"تانی" میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو تانی؟"

"ہاں! اور اس کے علاوہ جو کچھ تم اور بتاؤ گے اُس پر بھی عمل کر دوں گی۔"

"او تانی! کاش ——"

"ہاں ہاں کہو ——"

"کاش میں اس وقت تمہیں چوم سکتا۔"

سلطانہ بچوں کی طرح اپنی جگہ سے اُٹھ کر میری کرسی کے بازو پر آکر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ جھکا کر اُس نے نرمی سے کہا۔

"لو چوم لو ——"

"مگر تانی یہاں لوگ ——"

"مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں، چومو ——"

میں نے پیار سے اس کے رخسار کو چوما اور وہ ہنستے ہوئے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"تانی! میں تم سے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں صرف ایک بات، مانو گی؟" میں نے پیار سے کہا۔

"ہاں۔"

"تانی! قنوطیت کو اپنی زندگی سے نکال دو۔ کانٹوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہوا کے ہلکے سے جھونکے کو محسوس کر کے پھولوں کی طرح جھوما اور مسکرایا کرو، شکست

شے کو اپنی زندگی میں، اپنے دل و دماغ میں کسی صورت پیدا نہ ہونے دو۔
زندگی عارضی ہے، ہر لمحہ، ہر پل غنیمت ہے اس لئے وقتی خوشی کو دائمی مسرت
جانا کرو، اور اُس لمحے کے اردگرد قہقہوں کی قندیلیں روشن کر دیا کرو، سب سے
پیار کرو۔.................. سب کو اچھا سمجھو، اور کسی سے
یہ توقع مت رکھو کہ وہ تمہیں پیار کرے گا یا اچھا سمجھے گا۔ دھوپ میں سن گلاسز
کبھی مت لگایا کرو۔ اور نہ ہی بارش میں رین کوٹ پہنا کرو، یہ چیزیں قدرت
کے عطیے اور نہایت ہی انمول تحفے ہیں، ان کو قبول نہ کرنا بدذوقی ہے۔" میں
نے رُک کر سوچتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں تم بہت اچھا پینٹ کرتی ہو، اسے کبھی ترک مت کرنا۔" میں
رُک گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔

"بس!"

"نہیں ایک بہت ضروری بات میں بھول گیا تھا۔ ایک کتا بھی تمہیں
پال لینا چاہئے۔ وہ تمہارا بہترین ساتھی ثابت ہوگا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس؟" اُس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میرے خیال میں یہ کافی ہے۔ تانی تم بہت اچھی ہو مگر میں تمہیں اور بھی
اچھا اور ایک عام عورت سے زیادہ بلند دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اعتماد سے کہا۔

"تم مجھے ایسا دیکھنا چاہتے ہو اس لئے میں بننے کی کوشش کروں گی، میں

ایک عام عورت رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں" اس نے نرمی سے جواب دیا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تم عام عورت نہیں ہو اور نہ ہی تم عام عورت بن سکتی ہو۔"

"کیوں؟"

"اس لیئے کہ عام عورت بننے کے لیئے تمہیں بہت پیچھے جانا پڑے گا۔ مگر عام عورت سے بلند ہونے کیلئے تمہیں چند قدم آگے کی طرف اٹھانے پڑیں گے۔"

"گو مجھے تمہاری اس بات کا یقین نہیں اس کے باوجود دل یہی چاہتا ہے کہ تمہاری بات مان لوں، میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں ایسا ہی کروں گی، اور اگر کبھی پھر ملے تو تم مجھے ویسا ہی پاؤ گے جیسا کہ تم چاہتے ہو۔"

"تانی — اس دن میں خوشی سے درخت پر چڑھ جاؤں گا، پہاڑ سے چھلانگ لگا دوں گا۔ تالاب۔ یا کسی ندی نالے میں کود جاؤں گا۔"

"میں کوشش کروں گی کہ تمہیں کسی بند کمرے میں ملوں تاکہ تم ایسی کوئی حماقت نہ کر سکو۔"

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیئے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ آخری دن — تمام تر تم میرے ساتھ گذارو گے۔"

وہ بے تاب سی ہو کر بولی۔

"تانی! آج کا سارا دن میرا ہے، اور یہ سارا دن تمہارا ہے۔ مگر میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے اب چلنا چاہیئے۔" میں نے کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا

وہ میرا ہاتھ تھام کر اُٹھی۔ بل ادا کر کے ہم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے برائٹ لینڈ کی طرف چلنے لگے۔

لنچ ہم نے ڈائننگ ہال کی بجائے کمرہ نمبر پندرہ میں ہی کیا، چار بجے کی چائے ہم نے منکر نکیر کے ڈر سے تین بجے "سمیز" میں کھڑکیوں سے دور بیٹھ کر پی، اور پھر ایک لمبی سیر کے لئے ہم کشمیر پوائنٹ چلے گئے۔

سیر کے دوران میں میں بہت خوش تھا۔ اور اُسی خوشی کے تحت ہم سات بجے مری کے مال روڈ پر آگئے۔ جانے کیوں میرے دل سے لگر ٹبگے اور کلارک کا ڈر یک دم نکل گیا، سلطانہ اور میں مال روڈ کے چار پانچ چکر لگا چکے تھے مگر وہ دونوں خدا معلوم کہاں غائب تھے۔ اب میرا موڈ کچھ ایسا بن چکا تھا۔ کہ میں اُن کو تلاش کر کے سلطانہ کو اپنے ساتھ دکھانا چاہتا تھا۔ اور اِسی غم و غصہ کے تحت میں تانی کو اپنے ساتھ "مے رینا" کے کمرہ نمبر آٹھ میں بھی لے گیا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھے۔ تھک کر "لِن ٹورٹ" میں ایک ایسی جگہ چائے پینے بیٹھ گئے جہاں ہمیں مال روڈ پر گذرتا ہوا ہر شخص دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ کم بخت مال روڈ سے بھی نہیں گذرے۔ وہاں سے تنگ آکر ہم ہر دکان میں گھس کر کچھ نہ کچھ خریدنے لگے، میں اُس فوٹوگرافر دوست کی دکان پر گیا۔ وہ بھی سالا کہیں غائب تھا۔ جب نو بج گئے تو سلطانہ مجھے تعجب سے پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے۔ آپ کیا کسی کو تلاش کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے جلدی سے جھوٹ بولا۔

"مگر آپ کے چہرے سے تو یہی نظر آرہا ہے کہ آپ پریشان ہیں۔ اور پھر کبھی تو آپ مال روڈ پر ہی نہ آتے تھے اور اب آپ یہاں سے جانے کا نام نہیں لیتے۔"

"یونہی چلیں کیا؟" میں نے دور سے ایک لمبے سے آدمی کو دیکھ کر تانی کی بات کا جواب دیا۔

"تو بچ گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

وہ لمبا آدمی بھی کوئی اور تھا۔

"میں اور سلطانہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے "برانٹ لینڈ" کی طرف چل دیئے۔

ڈنر کے بعد کافی پر سلطانہ نے مجھے اپنی ایک بڑی خوب صورت تصویر دی جس میں وہ شلوار قمیض پہنے بیٹھی تھی، اور اُس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کہ عموماً گھریلو قسم کی لڑکیوں کے ہونٹوں پہ پہلی بار صحیح طور پر ڈنر پکا لینے کے بعد پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ اُس تصویر کے ایک کونے میں لکھا تھا۔

اپنے پیارے اور دانشمند مسخرے دوست کے لئے۔ میں نے اس فقرے کو پڑھ کر منہ پھلاتے ہوئے تانی کو مخاطب کر کے کہا۔

"تانی، لفظ دانشمند پر مجھے شدید اعتراض ہے۔"

اور ہم دونوں قہقہے لگانے لگے۔

اس کے بعد تانی بے حد سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔

"یوسف! کل تم چلے جاؤ گے۔ کل سے میں مینٹ کرنا شروع کر دوں گی۔ اور جتنا عرصہ مری میں رہوں گی۔ روز "سسل" کی اسی میز پر بیٹھ کر کافی پیا کروں گی، اب کتوں کو میں پیار سے دیکھا کروں گی۔ اور کراچی جاتے ہی ایک اچھا سا کتا بھی پال لوں گی۔

چوبیس جولائی کو میں ہمیشہ شلوار قمیض پہنا کروں گی۔ اور تمہیں خط لکھتے وقت بھی میں یہی لباس پہنا کروں گی۔

"تمہیں ہر ماہ میں ایک خط لکھا کروں گی۔ کیا تم جواب دو گے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں چاہتا تانی کہ تم مجھے خط لکھا کرو۔"

"مگر کیوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"دیکھو تانی! تم نے میری اتنی باتیں مان لی ہیں۔ تم نے مجھ سے اتنے وعدے کئے ہیں، ایک یہ بات بھی مان لو، یہ وعدہ بھی کر لو کہ تم مجھے خط نہ لکھو گی۔" میں نے قریب قریب منت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں یوسف! میں یہ وعدہ نہیں کر سکتی۔" وہ یک دم بیگانہ سی بن گئی۔

"یہ تمہاری قوتِ ارادی کا امتحان ہے تانی" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"مگر یہ سراسر ظلم ہے۔ تمہیں اس میں کیا مزا ملتا ہے یوسف! اچھا میں تمہیں دو یا تین مہینے کے بعد خط لکھا کروں گی۔"

"نہیں تانی نہیں"

"اچھا تم مجھے جواب مت دیا کرنا۔ میں ہی تمہیں خط لکھا کروں گی۔"

"نہیں"

"آخر بات کیا ہے؟"

"تمہارے خط ــــ تمہارے خط تانی مجھے بے قرار کر دیا کریں گے اور اور میں کوئی کام نہ کر سکوں گا۔"

"مگر تمہاری قوتِ ارادی ــــ"

"میری قوتِ ارادی بہت کمزور ہے تانی، اور تم بے حد پیاری اور اچھی سلطانہ ہو۔ مجھے امید ہے تم مجھے آزمائش میں نہیں ڈالو گی" میں نے امید بھری نظروں سے تانی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر بے حس و حرکت خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے بعد زبردستی مسکرا کر بولی۔

"اچھا یوسف! میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم میرا کوئی خط نہ موصول کرو گے۔ مگر یوسف میں تمہیں ہر ماہ خط لکھا کروں گی اور انہیں حفاظت سے سنبھال کر رکھ چھوڑا کروں گی۔ اگر تم کبھی ملے تو ــــ" وہ ایک لمبا اور گہرا سانس لے کر

رُک گئی۔

کچھ دیر کے لئے پندرہ نمبر کمرے میں خاموشی چھا گئی، اور سلطانہ کمرے میں اُٹھ کر بے تابی سے اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ میں نے وہاں سے چلے آنا ہی مناسب سمجھا اور اِس خیال کے تحت میں صوفے سے اٹھا، سلطانہ نے میری طرف مڑ کر کہا۔

"تم جا رہے ہو؟"

"ہاں تانی۔"

"چلو میں تمہیں دروازے تک چھوڑ آؤں۔" اُس نے کونے سے چھڑی اٹھا کر میری طرف بڑھائی۔

"یہ بھی تم لے جاؤ یوسف۔"

میں نے خاموشی سے وہ چھڑی لے لی، اور ہم برائٹ لینڈ کے بڑے دروازے پر آ کر رُک گئے، سلطانہ نے آہستہ سے کہا۔

"کیا میں صبح تمہیں خدا حافظ کہنے کے لئے بس کے اڈے پر آؤں۔"

"نہیں تانی اِس کی ضرورت نہیں۔"

سلطانہ میرے ساتھ لپٹ گئی، میں نے گرمجوشی کے ساتھ اُسے ایک طویل بوسہ دیا، اور خدا حافظ کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتا "مے رینا" کی طرف چل دیا، میں نے مڑ کر برائٹ لینڈ کی طرف نہیں دیکھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ سلطانہ فوراً ہی وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دی ہوگی۔

"سمے رینا" کے نمبر آٹھ میں وہ دونوں منکر نکیر موجود تھے۔

"اوئے! آ گیا ہے سالے، صبح جا رہے ہو یا نہیں؟" کلرک نے میری طرف شکوک نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"صبح میں جا رہا ہوں احمد علی" میں نے کہا۔

"تو سالے، امیر حمزے! اس میں رونے کی کیا بات ہے، تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے ہم تمہیں دھکے دے کر نکال رہے ہیں" اس نے میرے لہجے کو بھانپتے ہوئے دھونس سے کہا۔

"اوئے، تو تیرا سامان وغیرہ کون باندھے گا؟" لگڑ بگے نے کہا۔

"میں خود ——" میں نے جواب دیا، اور سامان وغیرہ سمیٹنے میں لگ گیا۔

علی احمد کلرک خاموش ہو گیا اور متین زلفی لگڑ بگا ریڈیو کا ڈائل گھما کر سائبریا کی موسیقی کو تلاش کرنے لگا۔

"بھئی صبح ہم تم کو چھوڑنے چلیں گے" کلرک نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے جواب دیا، اور کلرک بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور غصے میں بولا۔

"ابے امیر حمزہ! سالے تو کسی سے مار کھا کر آیا ہے، جو اس طرح بات کر رہا ہے، غصہ ہم پر کیوں نکال رہا ہے اوئے۔ اگر ہم تمہیں وداع کرنے جا رہے ہیں تو سالے نہ تو تمہاری خوشامد کر رہے ہیں نہ ہی کوئی احسان جتا رہے ہیں، یہ ایک

ہماری روایت ہے۔ اور ہم روایات کو پسند کرتے ہیں۔ اور قائم بھی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

میں خاموش رہا، اور غالباً کلرک کو یہ خاموشی بری لگی۔

"امیر حمزہ میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اُس نے چیخ کر کہا

"میں نے سُن لیا ہے۔" میں نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

"اوئے سالو، تو تینے کہیں کے۔" لگڑ بگا چلایا

سائبریا کی موسیقی سے جڑتا ہوا اُس کا دھاگہ شائد ٹوٹ چکا تھا ٭
